قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ
خَيْرًا كَثِيْرًا
(البقرۃ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم
مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی
نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)
معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۱۹ | رجب المرجب ۱۴۲۱ھ — اکتوبر ۲۰۰۰ء | شمارہ ۱۰

— یکے از مطبوعات —
مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شادی ہال، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

حکمت قرآن کے گزشتہ دو شماروں سے "حرفِ اول" کے زیر عنوان "پاکستان کی نظریاتی اساس اور اس کے استحکام کی واحد بنیاد" کے حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مؤقف اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ذیل میں اس ضمن میں ایک اہم سوال کہ "علماءِ کرام کی اکثریت نے تحریک پاکستان کا ساتھ کیوں نہ دیا" کے جواب میں محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے :

"علماء کے ایک طبقے کی طرف سے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ انہیں ہندوؤں کے عزائم کا درست اندازہ نہیں تھا' جبکہ عام مسلمانوں کو معاشی میدان میں بھی اور سرکاری ملازمتوں میں بھی قدم قدم پر ہندو کی متعصبانہ ذہنیت کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر ہندوستان کے مسلمانوں نے اس معاملے میں علمائے کرام کے بجائے مسلم لیگ کے علیحدہ ملک کے قیام کے موقف کی بھرپور حمایت کی جس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہوگیا۔ دراصل قیامِ پاکستان کے مخالف علماء کا موقف یہ تھا کہ پہلے ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کو نکالا جائے اور پھر ہندو سے نمٹا جائے۔ لیکن یہ محض رائے کا اختلاف تھا ورنہ ان کا خلوص و اخلاص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا' یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر کہا تھا کہ پاکستان کی عزت سے اسلام کی عزت وابستہ ہے اور اب اس کو مستحکم کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے بھی قیامِ پاکستان کے بعد اپنے ایک خطاب کے دوران پاکستان کو مسجد سے تشبیہہ دیتے ہوئے اس کی حفاظت کو ایمان کا تقاضا قرار دیا تھا۔

ویسے بھی ہمارا دین ہمیں ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے قیام پاکستان کے حوالے سے علماء کرام اور مسلمانوں کا یہ اختلاف کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیکن ہم اس ملک میں اسلام نافذ نہ کر کے اللہ سے وعدہ خلافی کے عظیم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ ہم نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اے اللہ تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی دہری غلامی سے نجات دلادے اور ہمیں ایک علیحدہ خطہ عطا کر دے جہاں ہم تیرے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ لیکن ہم اپنے اس وعدہ میں خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا اسی وعدہ خلافی پر ہماری سزا تھی تاکہ ہم سنبھل جائیں۔ تاہم اگر ہم نے اب بھی اپنی روش ترک نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۱ء جیسی کوئی اور سزا ہمیں بھگتنا پڑے جس کے آثار بھارت کے عزائم سے صاف نظر آ رہے ہیں"۔

(نوٹ : محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مذکورہ بالا مکمل خطاب اکتوبر ۲۰۰۰ء کے ماہنامہ میثاق میں شامل ہے)

دراس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف

—— (۵) ——

اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی ایک اہم دفعہ

سورۃ الصف کی آیت نمبر ۵ ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ .... ﴾ جس سلسلۂ کلام اور جس ربط کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے' اس کے مطابق اس کا اصل مفہوم واضح ہو گیا۔ لیکن جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا ہے' یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک مکمل موتی ہے۔ اسے جب ایک سلسلۂ مضمون کی کڑی میں پرو دیا جاتا ہے تو اس کا ایک مفہوم اور ایک رُخ متعین ہو جاتا ہے' لیکن اس کا کوئی دوسرا رُخ بھی ہو سکتا ہے جو اس سلسلۂ کلام کے اعتبار سے اگرچہ ضمنی قرار پائے گا لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہو گی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کے بہت سے قیمتی موتی اسی طرح آیات کے ضمنی مضامین کی حیثیت سے وارد ہوئے ہیں۔

یہاں ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ (پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی کج کر دیا) کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی ایک بہت اہم دفعہ بیان ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ہدایت یا ضلالت میں سے

کسی ایک کو اپنانے کا اختیار (choice) دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الدھر میں فرمایا گیا :

﴿ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ﴾ (خواہ وہ شکر والا بنے خواہ کفر کرنے والا) چاہے اِدھر آ جائے' چاہے اُدھر چلا جائے۔ انسان اگر ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے لئے کھولتا چلا جائے گا' آسان کرتا چلا جائے گا' اور اگر وہ کج روی اختیار کرے گا تو وہی راستہ اس کے لئے آسان کر دیا جائے گا اور پھر اس پر وہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اور جب انسان غلط راستے پر پڑ جائے اور پھر اس پر بڑھتا چلا جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے جسے ہم انگریزی میں "Point of no return" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ گویا آدمی اس درجے آگے نکل گیا کہ اب واپسی کا امکان ہی نہیں۔ اس مرحلے کو قرآن حکیم ان الفاظ سے تعبیر کرتا ہے :

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾

"اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کی سماعت پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں"۔

اسی کیفیت کے لئے یہاں "اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ یعنی جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا۔ اس لئے کہ اللہ کا یہ ضابطہ اور قانون ہے کہ وہ کسی کو بالجبر ہدایت کی راہ پر نہیں لانا چاہتا۔ چنانچہ آیت کے اختتام پر فرما دیا گیا : ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ ﴾ یعنی اللہ ان لوگوں کو جو فسق وفجور ہی کی راہ اختیار کر لیں' جو کج روی کو پسند کر لیں' زبردستی ہدایت نہیں دیا کرتا۔

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں تاریخ بنی اسرائیل کے ایک دَور کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے' جب اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے مابین موجود تھے اور اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل یہ تھا۔ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ بنی اسرائیل سے خطاب کر کے انہوں نے فرمایا : "اے قوم! تُو تو اس چھنال کی مانند ہے کہ جو پہلی شب میں بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہو!"

حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت اور یہود کا معاندانہ رویّہ

اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کی ایک جھلک دکھائی جا رہی ہے۔ یہ قوم اپنی

اس کج روی میں اس حد تک بڑھ گئی کہ جب سلسلۂ بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء اور آخر الرّسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو آپ کے ساتھ بھی ان کا طرزِ عمل انتہائی معاندانہ رہا۔

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

"اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے کہ اے اولادِ یعقوب! میں تمہاری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں، میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی کہ جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے اور بشارت دیتے ہوئے آیا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام ہے احمد (مجتبیٰ ﷺ)۔ پھر جب وہ ان کے پاس صریح نشانیوں کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس ایسی کھلی کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر آئے تھے جو پہلے کسی کو نہ دیئے گئے تھے۔ حسّی معجزات میں مُردوں کو زندہ کر دینے اور مٹی سے پرندوں کی تخلیق سے بڑھ کر کسی معجزے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، لیکن علمائے یہود اور ان کے بڑے بڑے اصحابِ علم و فضل کی گراوٹ، ان کی پستی اور حق سے ان کے بُعد کا عالم یہ ہو گیا کہ ایسے صریح معجزے دیکھ کر بھی ان بدبختوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے، اور چونکہ جادو کفر ہے، لہٰذا یہ مرتد ہے، اور واجب القتل ہے۔ تو بنی اسرائیل نے اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ یہ گویا کہ تاریخ بنی اسرائیل کا دوسرا دور ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں بھی ایک مضمون جو اس سورت کے سلسلۂ کلام کی نسبت سے تو اگرچہ ضمنی کہلائے گا، لیکن اپنی جگہ پر بہت اہم ہے، یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ایک عجیب شان کی حامل ہے۔ وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے، بلکہ شریعتِ موسوی ہی کی تجدید کیلئے آئے تھے۔ متی کی انجیل میں "Sermon of the Mount" میں ان کا یہ جملہ موجود ہے :

"Don't think I have come to destroy law"

یعنی "کبھی یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں"۔ آپ شریعت کو ختم کرنے کے لئے نہیں، بلکہ شریعت کو قائم کرنے کے لئے آئے تھے۔ ان کی ایک حیثیت ہے شریعتِ موسوی کے مجدّد کی ایک اور حیثیت ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے پیشرو اور آپؐ کے بارے میں بشارت و خوشخبری دینے والی کی۔ چنانچہ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ کے الفاظ مبارکہ میں بعثتِ عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دو پہلو بھی بیان ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی جو روش رہی اس کو واضح کرنے کے بعد فرمایا :

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ﴾

"اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تراشے، جبکہ اسے اسلام کی طرف پکارا جا رہا ہو"۔

یہ آیت کچھ برزخی مزاج کی ہے۔ اس کا تعلق آیۂ ماسبق سے بھی جُڑ جاتا ہے اور آیۂ مابعد سے بھی۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَور میں یہود کے طرزِ عمل کی طرف اشارہ بھی موجود ہے اور بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کے بعد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو اُن کا سلوک رہا، وہ بھی اس کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ فرمایا گیا کہ ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کریں، جبکہ انہیں اسلام کی طرف پکارا جا رہا ہو، اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو! حضرت مسیح علیہ السلام بھی دعوتِ اسلام لے کر آئے تھے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ بھی دعوتِ اسلام لے کر آئے۔ آیت کے آخر میں فرمایا :

﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

"اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

ربطِ کلام کو ذہن میں رکھ کر غور کیجئے کہ قول اور فعل کے تضاد سے کوئی اُمّتِ مُسلمہ

پستی کی کس حد تک پہنچ سکتی ہے! اس کے لئے ایک نشانِ عبرت کے طور پر تاریخِ بنی اسرائیل کے یہ آدوار سامنے لائے جارہے ہیں۔

ع نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

اس کے بعد آتی ہے وہ آیت جس میں یہود کے اس طرزِ عمل کا ذکر ہے جو انہوں نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختیار کیا' اور جس کی طرف اشارہ اس سے پہلی آیت میں موجود ہے۔ یہود کی بدبختی اور بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ وہ خود منتظر تھے آخری نبی کی بعثت کے' اور ان سے یہ توقع تھی کہ وہ بڑھ کر آپؐ کا استقبال کریں گے۔ ان کے کچھ قبیلے آکر عرب میں آباد ہی اس لئے ہوئے کہ ان کی کتابوں میں یہ خبر تھی کہ کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبی کا ظہور ہو گا۔ چنانچہ اس امید میں کہ ہم اس کا وقت پالیں اور اس کے ساتھی بن سکیں' ان کے کچھ قبیلے یہاں آکر آباد ہوئے' اور وہ اوس و خزرج کے لوگوں کو دھمکایا کرتے تھے کہ اس وقت تو تم ہم پر غالب ہو' ہمیں دبالو جتنا چاہو' لیکن ایک وقت آنے والا ہے اور وہ دُور نہیں کہ نبی آخرالزّمان کا ظہور ہونے والا ہے اور جب ہم ان کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہ آسکو گے۔ لیکن یہود کی کہی ہوئی اسی بات کی وجہ سے اوس اور خزرج کے لوگ ایمان میں پیش قدمی کر گئے۔

بیعتِ عقبۂ اُولیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حج کے لئے آئے ہوئے مدینہ کے چھ افراد کے سامنے دعوت پیش کی تو انہوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور آپس میں سرگوشی کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی رسول ہیں جن کا یہود حوالہ دیا کرتے ہیں اور جن کا ذکر کیا کرتے ہیں' اور آؤ اس سے پہلے کہ یہود پیش قدمی کریں' ہم ان پر سبقت کریں اور ایمان لے آئیں۔ تو اللہ نے انہیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرمادیا اور یہود اس نعمت سے محروم رہے' اور نہ صرف محروم رہے بلکہ یہ قوم نبی اکرم ﷺ کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور آپ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں کھلے کھلے کافروں اور مشرکوں کو مات کر گئی۔ یہاں قرآن نے ان پر ایک تعریض کے انداز میں ان کی جو اصل صورت حال تھی' اس کا نقشہ ان عجیب الفاظ میں کھینچا ہے :

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾

"یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مُنہ کی پھونکوں سے بجھادیں"۔

مولانا ظفر علی خاں نے دراصل یہیں سے اپنے اس شعر کے لئے خیال اخذ کیا ہے :۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ کے الفاظ میں خاص طور پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہود کبھی بھی کھلے میدان میں حضور ﷺ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ابو جہل مقابلے پر آیا تو مرنے اور مارنے کے لئے آیا اور اس نے اپنی گردن کٹالی۔ لیکن یہود میں یہ حوصلہ نہ تھا۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اے نبی! یہ یہودی کبھی آپ کے ساتھ کھلے میدان میں مقابلے پر نہ آئیں گے۔ ان کا سارا معاملہ کہیں دیواروں کے پیچھے سے اپنا تحفظ لے کر، کہیں چھتوں کے اوپر سے پتھر برسا کر یا دوسروں کو اُبھار کر اور اشتعال دلا کر آپ کے خلاف اکسانے کی طرح کا ہی ہو گا۔ یہاں اسی کی طرف تعریض کے انداز میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اللہ کے نور کو اپنے مُنہ کی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

"اور اللہ تو اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا، اگرچہ یہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار گزرے"۔

اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے اور تاریخ نسل انسانی کا وہ وقت آچکا ہے کہ اس نور کا اتمام کر دیا جائے، اس ہدایت کی تکمیل ہو جائے، وہ وقت آجائے جبکہ اعلانِ عام ہو کہ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ اور اللہ کا یہ اٹل فیصلہ پورا ہو کر رہے گا۔ بعثت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حکمت خداوندی کے اسی تقاضے کے تحت ہوئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الھدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ' تاکہ وہ غالب کر دے اس کو کُل کے کُل دین پر' خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے"۔

عالمِ واقعہ میں اللہ کے نور کے اتمام کی صورت یہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو جو "الھدیٰ" یعنی قرآن مجید دے کر بھیجا ہے' اس کا نور عام ہو گا۔ اس عالم میں اس قرآن مجید کا چرچا ہو گا۔ محمد ﷺ اس قرآن کی مکمل طور پر تبلیغ فرمائیں گے اور اس کے ساتھ دینِ حق یعنی جو نظامِ عدل وقسط دے کر وہ بھیجے گئے ہیں' اسے قائم اور نافذ کر کے نوعِ انسانی پر اتمامِ حجّت فرما دیں گے۔ اسی کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ یعنی دین کی تکمیل اور نوعِ انسانی پر نعمتِ خداوندی کا اتمام بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ہو کر رہے گا۔

کارِ رسالت کی تکمیل کے لئے اہلِ ایمان کی ذمہ داریاں

اس کے بعد اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا اس درس کے آغاز میں حوالہ دیا گیا تھا۔ جب اللہ کا اٹل فیصلہ یہ ہے تو اب اس کے لئے اہل ایمان کو جان اور مال کھپانا ہے۔ چنانچہ یہاں اہل ایمان کو اس کے لئے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ کسی کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے دو انداز ہوتے ہیں۔ ایک ترغیب و تشویق کا انداز ہے کہ یہ کرو گے تو یہ اجر ملے گا' یہ بدلہ ملے گا' یوں شاباش ملے گی' اس طرح تمہاری خدمات کا اعتراف کیا جائے گا' تمہیں ان خلعتوں سے نوازا جائے گا' اور دوسرا انداز یہ کہ اگر نہ کرو گے تو یہ سزا ملے گی۔ ان میں سے پہلا تشویق کا انداز ہے اور دوسرے کے اندر دھمکی اور وعید کا پہلو ہے۔ اس لئے پہلے کو "ترغیب" اور دوسرے کو "ترہیب" کہا جاتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے عین مرکز میں بعثتِ محمدیؐ کا مقصد معیّن ہوا ہے۔ اس کے لئے یہاں اہلِ ایمان کو جہاد کی دعوت دی جا رہی ہے اور اس کے لئے ترغیب اور ترہیب کے دونوں انداز اختیار کئے جا رہے ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کا پہلا رکوع بھی ترہیب پر مشتمل تھا کہ اگر دین کے تقاضوں پر عمل پیرا نہ ہو گے تو قول و عمل کے تضاد کے مرتکب گردانے جاؤ گے' اللہ تمہارے طرزِ

عمل سے بیزار ہو گا اور تم اس کے غضب کے مستحق ٹھہرو گے' اور اس طرح تم گویا کہ یہود کے نقش قدم کی پیروی کرو گے جنہوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا اور وہ اس مقام اور منصب سے معزول کر دیئے گئے جہاں آج تمہارا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔

دوسرے رکوع میں ترغیب کا انداز غالب ہے' اگرچہ اس کی ابتدا بھی ترہیب سے کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ ﴾

"اے اہل ایمان! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (آخرت کے) دردناک عذاب سے چھٹکارا دے دے؟"

گویا کہ یہاں یہ بات implied ہے کہ اگر تم یہ نہ کرو گے تو چھٹکارا پانے کی کوئی امید نہیں۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ محض یہ کہنے سے کہ "ہم ایمان لے آئے" چھٹکارا ہو جائے گا تو یہ امید موہوم ہے' خیالِ خام ہے۔

سورۃ العنکبوت شروع ہوتی ہے ان الفاظ سے :

﴿ الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾

"کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے گا صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے' اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟"

انہیں پرکھا نہ جائے گا' ان کی آزمائش نہ کی جائے گی' انہیں جانچا نہ جائے گا' انہیں امتحانوں کی بھٹیوں میں ڈالا نہ جائے گا؟ وہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے کہ اگر کسی نے یہ سمجھا تھا کہ محض یہ کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے' چھٹکارا ہو جائے گا تو یہ خیالِ خام ہے۔ اگر عذابِ الیم سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو تو ایک کاروبار کرنا پڑے گا' ایک مشقت جھیلنی پڑے گی' ایک محنت کرنی ہو گی۔

﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾

"(وہ یہ ہے کہ) ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں

اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے"۔

﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو"۔

اگر تم واقعی علم رکھتے ہو' اگر ہوش مند ہو' باشعور ہو' نفع اور نقصان کا صحیح فہم تمہیں حاصل ہے تو جان لو کہ یہی بہتر ہے۔ اپنی جان کا اللہ کی راہ میں دے دینا درحقیقت اس جان کو ہمیشہ کے لئے جاوداں بنالینا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا : ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ اسی طرح اگرچہ بظاہر مال سے محبت ہے' اور اس کو جمع کر کے سینت سینت کر رکھنے کی طرف طبیعت کا میلان ہے' لیکن اگر تم حقیقت شناس اور حقیقت بین ہو تو جان لو کہ اللہ کے راستے میں' اس کے دین کی سربلندی کے لئے اس کا کھپا دینا اور لگا دینا ہی بہتر ہے۔

مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے انعاماتِ ربانی

اگلی دو آیات گویا کہ اسی آخری ٹکڑے ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ کی شرح ہیں' جن میں "ترغیب" کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں ایک کے بعد دوسرے انعام اور اعلیٰ مراتب کا ذکر ہے کہ اگر یہ کرو گے تو کیا کیا کچھ ملے گا۔ تو سب سے پہلے فرمایا :

﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ "وہ تمہاری خطائیں معاف فرمائے گا"۔

یعنی اگر تم اس راستے پر قدم بڑھاتے چلو اور اس سے دامن بچا کر نکلنے کی کوشش نہ کرو' اس فرضِ منصبی کی ادائیگی سے پہلو تہی نہ ہو' تو پھر اگر کہیں کوئی لغزش یا خطا ہو بھی گئی تو اللہ کا پہلا وعدہ تو یہ ہے کہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' تمہاری غلطیوں کو معاف فرمادے گا' تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

مزید برآں یہ کہ :

﴿ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ﴾

"اور تمہیں داخل کرے گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی'

اور ان پاکیزہ گھروں میں جو جنّاتِ عدن میں ہیں"۔

یعنی ہمیشہ باقی رہنے والے رہائشی باغات (Residential Gardens) میں تمہیں اعلیٰ مسکن عطا فرمائے گا۔

﴿ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ "یہ ہے اصل کامیابی!"

یہ ہے اصل فوز و فلاح۔ یعنی اصل کامیابی و کامرانی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ہم پورے شد و مد (emphasis) کے ساتھ سورۃ التغابن میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں فرمایا گیا: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ﴾ "وہ ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا دن"۔ جو اُس روز جیتا وہ جیتا' اور جو اُس روز ہارا وہ ہارا۔ جو اُس روز کامیاب قرار دیا گیا وہی کامیاب ہے اور جو اُس روز ناکام قرار پایا وہی ناکام ہے۔ چنانچہ اصل کامیابی یہی ہے' بڑی کامیابی یہی ہے۔

نصرتِ خداوندی اور فتح قریب کا وعدہ

﴿ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ﴾ "اور ایک اور چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے"۔

یہ بڑا ہی عجیب اور قابل توجہ پیرایۂ کلام ہے۔ اللہ کے نزدیک تو اصل کامیابی وہ ہے جس کا ذکر ہو چکا' لیکن ایک اور چیز کا بھی وعدہ ہے' جو تمہیں بہت محبوب ہے' اور وہ ہے :

﴿ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ﴾

"اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی"۔

یعنی اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ بھی ہے اور اس فتح کا بھی جو زیادہ دُور نہیں ہے۔ اب یہ مرحلہ آیا چاہتا ہے۔ اللہ کے دین کا غلبہ ہوا چاہتا ہے۔ درحقیقت اس سورۂ مبارکہ کے زمانۂ نزول کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو ان آیات کا مفہوم صحیح طور پر سامنے آتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ احزاب کے فوراً بعد نازل ہوئیں۔ غزوۂ احزاب رسول اللہ ﷺ کی اس جدوجہد' کشمکش اور انقلابی دعوت میں ایک فیصلہ کُن موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد نظر آ رہا تھا کہ گویا اب صورتِ حال تبدیل ہو جانے والی ہے۔ (Tables were to be turned) اس کی طرف حضور ﷺ نے غزوۂ احزاب کے فوراً بعد ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ : "لَنْ يَّغْزُوْكُمْ

قُرَیْشٌ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَلٰکِنَّکُمْ تَغْزُوْنَهُمْ" یعنی اے مسلمانو! اس سال کے بعد اب قریش تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ یہ ان کی طرف سے آخری حملہ تھا' کفر کی کمر ٹوٹ چکی اور کفار حوصلہ ہار گئے' اب اقدام تمہاری طرف سے ہو گا۔ اسی کا گویا نقشہ ہے جو اِس آیۂ مبارکہ کے الفاظ میں سامنے آ رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کے وعدے کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے :

﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾

"اور (اے نبیؐ) اہل ایمان کو بشارت دے دیجئے!"

نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا فرمانِ مبارک اور اس آیۂ مبارکہ کے مابین ایک گہرا منطقی ربط معلوم ہوتا ہے اور حضورؐ کا وہ قول اغلباً ـــــ واللہ اعلم ـــــ اسی آیۂ مبارکہ کے نزول کے بعد کی بشارت محسوس ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبیؐ! اہل ایمان کو بشارت دیجئے کہ اب وہ مرحلہ دُور نہیں ہے۔ اب اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے اور فتح تمہارے قدم چومنے کو ہے۔ لیکن اس پورے معاملے کو "اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ تم کامیاب ہوتے ہو یا ناکام! اس کے نزدیک تو اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ بندۂ مؤمن کا فرض ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اللہ کی راہ میں لگا دے اور اپنے تمام وسائل میدان میں لا ڈالے۔ دنیا میں وہ کامیاب ہوتا ہے یا ناکام' اس سے اس کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کا کوئی تعلق نہیں۔ حضرت حمزہ بن عبد المُطلب یومِ اُحد ہی کو شہید ہو گئے اور انہوں نے دین کا غلبہ اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ انہوں نے وہ دَور نہیں دیکھا جب اللہ کے دین کا جھنڈا لہرا رہا تھا' جب محمدؐ رسول اللہ ﷺ میدانِ عرفات یا وادیٔ منیٰ میں سوا لاکھ کے مجمع کو خطاب فرما رہے تھے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ناکام ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک! یہی وجہ ہے کہ یہاں ان دو وعدوں کو علیحدہ علیحدہ گروپ کیا گیا ہے۔ پہلا وعدہ خطاؤں کی بخشش اور داخلہ جنت کا ہے' جسے "اصل کامیابی" قرار دیا گیا ہے' اور دوسرا وعدہ اور خوشخبری ایک ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کے لئے فرمایا گیا کہ "جو تمہیں بہت پسند ہے"۔ انسان بربنائے طبعِ بشری اپنی جِدّوجُہد کے نتائج کو دیکھنا چاہتا ہے'

اپنی کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے دیکھنے کی خواہش انسان میں فطری طور پر ہوتی ہے۔ یہاں اس کی طرف اشارہ فرمادیا گیا۔

"کُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰہِ" کی پکار

اب ہم اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت کا مطالعہ کریں گے جو ایک طویل آیت ہے۔ اور منطقی اعتبار سے یہ اس سلسلۂ مضمون کا ایک انتہائی اہم اور بلند ترین مقام ہے جو گزشتہ آیات میں چلا آرہا ہے۔ فرمایا :

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ ﴾

"اے اہل ایمان! اللہ کے مددگار بنو۔"

اس کا تعلق اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت کے ساتھ جوڑیئے۔ وہاں فرمایا گیا تھا :

﴿ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ ﴾ وہ زبردست ہے، کمالِ حکمت والا ہے۔ وہ غالب ہے، زبردست ہے، توانا ہے، اس کی حکومت اس پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے، اسے کسی کی نصرت کی کوئی احتیاج نہیں۔ وہ (معاذ اللہ) ضعیف نہیں ہے کہ اسے کسی کی مدد کی احتیاج ہو۔ بایں ہمہ اگر بندۂ مؤمن اس کے دین کے غلبے کے لئے سعی کر رہا ہو، اس کے دین کی سربلندی کے لئے جان اور مال کھپا رہا ہو، اس کے رسول کے مشن کی تکمیل کے لئے جسم و جان کی توانائیوں کو صرف کر رہا ہو، اپنے مال و اسباب اور وسائل و ذرائع کو اس راہ میں خرچ کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حد تک حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ اس کی اس جدوجہد کو اپنی نصرت سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اور بندے کے لئے اس سے اونچا مقام اور کوئی نہیں ہے کہ مخلوق ہو کر خالق کا مددگار قرار پائے، عبد ہوتے ہوئے معبود کا مددگار قرار پائے، اور معبود اپنے بندوں سے کہے :

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ ﴾

"اے اہلِ ایمان! اللہ کے مددگار بنو!"

اس کے لئے اب یہاں تاریخ سے شواہد لائے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ جہاں بہت سی پستیوں کی امین ہے، وہاں اس میں رفعتیں بھی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما" کے مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کے

رفعِ آسمانی کے بعد اُن کے پیغام کی نشرواشاعت میں جس تندہی کے ساتھ محنتیں کی ہیں' جو کوششیں کی ہیں' جس طرح کے مصائب جھیلے ہیں' جس طرح کی صعوبتیں اور شدائد برداشت کئے ہیں' وہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی کا اس پہلو سے ایک بڑا درخشاں باب ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا :

﴿ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾

"جیسے کہ کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف؟"

چونکہ یہ کامِ اللہ کا ہے' اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کی نشرواشاعت مقصود ہے لہٰذا اسے "اللہ کی طرف نصرت" سے تعبیر فرمایا۔ بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مقصد اور اس کی غرض وغایت کو سامنے رکھئے تو کہا جائے گا کہ کون ہے جو اللہ کے دین کے غلبے اور اس کی سربلندی کی جدوجہد میں میرا مددگار ہو' میرا دست وبازو بنے' میرا ممدّ ومعاون ہو' اس راہ میں میرا ساتھ دے؟

آپ نے دیکھا کہ ﴿ كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ میں نصرت کی دونوں نسبتیں آگئی ہیں' ایک نسبت اللہ کی طرف اور دوسری رسول کی طرف۔ یعنی اللہ کی نصرت بایں معنی کہ دین اللہ کا ہے ـــــ اور رسولؐ کی نصرت اس حوالے سے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا اصلاً رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ یہ دونوں نسبتیں ہمارے منتخب نصاب کے آخری مقام سورۃ الحدید میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہیں : ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ کہ اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وہ جان نثار اور وفادار بندے جو غیب میں رہتے ہوئے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ تو یہ نصرتِ خداوندی اور نصرتِ رُسل ہی گویا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصل ماہیت' اس کی اصل حقیقت' اس کا لب لباب اور اس کا خلاصہ ہے۔ آگے "مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ" کے جواب میں حواریین مسیح کا جواب نقل ہوا ہے :

﴿ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾

"حواریین نے کہا کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے!"

﴿ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ کَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ ﴾

"پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا (حضرت مسیح علیہ السلام پر) اور ایک گروہ کفر پر اڑا رہا۔"

اللہ کی تائید سے اہل ایمان کا غلبہ

﴿ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ۝ ﴾

"تو ہم نے تائید فرمائی ان کی جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں' اور (بالآخر) وہی غالب ہوئے!"

یہاں ﴿ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴾ میں وہی لفظ "اظہار" اسم فاعل کی شکل میں آیا ہے جو ﴿ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ﴾ میں بطورِ فعل آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا دنیا میں غالب ہوئے اور اللہ کے رسول کا انکار کرنے والے یہودی مغلوب ہوئے۔ اور تاریخ میں پھر وہ اَدوار بھی آئے کہ جن میں ان کے لئے اپنا کوئی تشخص برقرار رکھنا بغیر اس کے ممکن نہیں رہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں کی پناہ میں آئیں اور ان کے دامن میں اپنے آپ کو چھپائیں۔ تاریخ انسانی کے دَوران وقفے وقفے کے بعد ان پر عذابِ خداوندی کے کوڑے بھی برستے رہے۔ کبھی بخت نصر کے حملے کی صورت میں ان پر عذابِ الٰہی آیا اور کبھی ٹائٹس رومی کی صورت میں ان پر قہر خداوندی نازل ہوا۔ بیسویں صدی میں ہٹلر کے ہاتھوں ان پر قیامت ٹوٹی۔ لیکن بہرحال تاریخ کی یہ اَنمٹ شہادت ہے کہ وہ اُس وقت سے ہمیشہ مغلوب ہی رہے ہیں۔ اِس وقت بظاہر دنیا میں ان کی کچھ چلت پھرت اور کچھ حیثیت و مقام نظر آتا ہے' لیکن وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں کے طفیل اور ان کے سہارے پر ہے۔ اور اگر یہ آج کچھ ناچ رہے ہیں تو انہی کے کھونٹے پر کہ جو چاہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح معنوں میں متّبعین نہیں ہیں' لیکن بہرحال ان کے نام لیوا ہیں۔

یہاں یہ سورۂ مبارکہ ختم ہوتی ہے۔ اب چند جملوں میں اس کا لُبِّ لباب ذہن نشین کر لیجئے۔ سورۂ مبارکہ کا مرکزی مضمون ہے محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت اور اس کی تکمیلی اور امتیازی شان' یعنی وہ دینِ حق جو آپؐ دے کر بھیجے گئے اسے پورے نظامِ زندگی

پر بالفعل قائم کرنا' غالب کرنا' رائج کرنا' نافذ کرنا۔ اور وہ جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور ایمان رکھتے ہوں محمد ﷺ پر' ان کا فرضِ منصبی ہے اس مقصد کیلئے جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنا۔ وہ اگر یہ کرتے ہیں تو ان کیلئے سب کچھ ہے' مغفرت بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والے رہائشی باغات میں ان کو بہترین ٹھکانے بھی میسر آجائیں گے۔ ان پر اللہ کی طرف سے انعام واکرام اور اعزاز کی بارش ہوگی۔ پھر یہ کہ مزید اس دنیا میں بھی نصرت اور فتح کے وعدے ہیں۔ اور مزید برآں یہ کہ ان کی اس طرح قدر افزائی ہوگی اور وہ بلند مقام انہیں ملے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار قرار پائیں گے۔ اور اگر نہیں کرتے ہیں تو عذابِ الیم سے چھٹکارا پانے کی امید بھی موہوم ہے' بلکہ یہ اللہ کے غضب کو بھڑکا دینے والی بات ہے کہ انسان زبان سے دعوائے ایمان کرے' اللہ اور اس کے رسول کو ماننے کا اقرار کرے اور بالفعل اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انکار کردے!!

خلافت کی اصل حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر
اور عہد حاضر میں اس کے دستوری و قانونی اور معاشی و معاشرتی ڈھانچے اور اس کے
قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کی تشریح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

داعی تحریک خلافت پاکستان
کے چار جامع خطبات کا مجموعہ' بعنوان :

خطبات خلافت

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۵)

مکّی دور ــــ دعوت' تربیت اور تنظیم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ ﴾ (المدثر : ۱-۳)

اس سے قبل یہ بات سامنے آچکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان غلبۂ دینِ حق ہے' یعنی اس دینِ حق کو بالفعل قائم' غالب اور نافذ کرنا جو آپ ﷺ دے کر بھیجے گئے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے ایک مکمل انقلابی جِدّوجُہد درکار ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں ہمیں وہ تمام مراحل نظر آتے ہیں جو کسی بھی انقلابی جِدّوجُہد میں پیش آنے لازمی ہیں۔ یہی بات ہے جو سورۃ المدّثر میں نہایت سادہ الفاظ میں فرمائی گئی ہے : ﴿ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○ ﴾ اور "(اے محمدؐ!) اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو (اور اسے بالفعل قائم اور نافذ کرو)۔"

اس انقلابی جدّوجہد میں ظاہر بات ہے کہ پہلا مرحلہ جو ہمیں آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کے مکّی دَور میں نظر آتا ہے وہ مشتمل ہے دعوت و تبلیغ' تزکیہ اور تنظیم پر۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں تک تنظیم کا تعلق ہے اس کی بنیاد تھی لاالٰہ اِلاّ اللہ کے ساتھ محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپؐ کی بے چون وچرا اطاعت اور آپ ﷺ سے بہ دل و جان محبت۔ یہی وہ چیز ہے جس نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ایک بنیانِ مرصوص بنا دیا' ایک ایسی طاقت اور ایک ایسی قوت کہ جو حضور ﷺ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ آپؐ کے چشم و ابرو کے اشارے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے

ہر دم آمادہ رہتے تھے۔

البتہ جہاں تک دعوت یا تبلیغ کا تعلق ہے اس کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس کا مرکز و محور اور اس کا منبع اور اس کا مدار قرآن حکیم ہے۔ دعوت ہو یا تبلیغ، انذار ہو یا تبشیر، نصیحت ہو یا موعظت، یہاں تک کہ تربیت ہو یا تزکیہ، ان سب کی اساس اور ان سب کی بنیاد قرآن مجید پر ہے۔ یہ بات قرآن حکیم میں چار مقامات پر آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا جو منہج عمل اور جو طریقہ کار ہے اس کی بنیاد اِن عناصرِ چہارگانہ پر ہے :

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

"(ہمارا یہ رسول ﷺ) اُن پر اُس (یعنی اللہ) کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب یعنی احکامِ الٰہی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس حقیقت کو مولانا حالی نے نہایت سادہ الفاظ میں یوں ادا فرمایا ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

پس یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ اگرچہ اس دعوت کا ہدف اور مقصود تکبیرِ رب یا اعلائے کلمۃ اللہ یا اظہارِ دینِ حق ہے، از روئے نصِّ قرآنی :

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

"وہی اللہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول الہدیٰ اور دینِ حق دے کر، تاکہ وہ (رسول) اس کو کل جنس دین پر پورے کا پورا غالب کر دے"۔

لیکن اس کا نقطۂ آغاز ہے "اِنذار" یعنی خبردار کرنا، آگاہ کرنا، وقوعِ قیامت سے خبردار کرنا، جزاء و سزائے اُخروی سے خبردار کرنا۔ یہ خبردار (WARN) کرنا، یہ "اِنذار" دعوتِ نبویؐ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر اگر کبھی کوئی دعوت اٹھانی اور برپا کرنی مقصود ہو تو اُس کا نقطۂ آغاز بھی "انذار"

ہی ہو گا۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس دعوت کے ضمن میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں ایک نہایت فطری اور حکیمانہ تدریج نظر آتی ہے۔ یہ دعوت الأقرب فالأقرب کے اصول پر آگے بڑھتی ہے۔ اس کا آغاز گھر سے ہوا۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے بعد آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں جو آپؐ کے زیر کفالت بھی ہیں اور زیر تربیت بھی' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ' پھر آپؐ کے انتہائی گہرے دوست ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر آپؐ کے وہ غلام ہیں کہ جنہیں آپؐ نے آزاد کر کے اپنا مُنہ بولا بیٹا بنالیا تھا' یعنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ یہاں سے دعوت آگے بڑھی کنبے اور قبیلے کی طرف۔ پھر جب تک کہ آپؐ اہلِ مکّہ سے مایوس نہیں ہو گئے آپؐ نے اپنی پوری دعوتی سرگرمی مکّے تک ہی محدود رکھی۔ مکّے والوں سے مایوس ہو کر ۱۰ نبوی میں آپؐ نے طائف کا سفر کیا' لیکن اہلِ طائف بھی اسلام کی دعوت سے محروم رہے۔

پھر جب مکے والوں کی مخالفت کی بناء پر آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تب بھی چھ سال کے عرصے تک' جب تک کہ اہلِ عرب نے صلح حدیبیہ کی شکل میں آپؐ کی حیثیت کو تسلیم نہ کر لیا' آپؐ نے اپنی تمام تر توجّہات اندرونِ ملکِ عرب میں ہی مرتکز رکھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے بیرونِ ملک دعوت کا آغاز فرمایا۔ یہ ہے تدریج جو بالکل فطری ہے اور نہایت حکیمانہ ہے۔

آخری بات اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے وہ تمام وسائل اختیار فرمائے جو اُس وقت موجود تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ :

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء : ۲۱۴)

"اور (اے نبیؐ) خبردار کیجئے اپنے قبیلے اور قرابت داروں کو"۔

تو آپ ﷺ نے دو دفعہ دعوتِ طعام کا اہتمام فرمایا' اور وہاں اپنی دعوت پیش کی' اگرچہ بظاہر احوال اور ہمارے دُنیوی معیارات کے اعتبار سے یہ دونوں کوششیں ناکام رہیں۔

بعد میں جب اسی طریقے سے بذریعۂ وحی آپؐ کو حکم ہوا :

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ (الحجر : ۹۴)

"پس (اے نبیؐ) آپؐ علی الاعلان دعوت دیجئے اس بات کی جس کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے!"

یعنی اب ڈنکے کی چوٹ وہ بات کہیے جس کے لئے آپؐ مامور ہوئے ہیں' تو آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر وہی نعرہ بلند کیا جس کا عرب میں رواج تھا : واصباحا!" ہائے وہ صبح جو آنے والی ہے" جس پر لوگ جمع ہو گئے۔ اور آپ ﷺ نے جب انہیں عذابِ آخرت سے خبردار کیا تو آپؐ کا سگا تایا ابولہب مجمع میں سے بول اٹھا : "تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا" معاذ اللہ' نقلِ کفر' کفر نباشد۔ "(اے محمد ﷺ) تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں' کیا تم نے ہمیں اس کام کے لئے جمع کیا تھا"؟ اس پر سورۃ اللھب نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ہے :

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ ﴾ (اللھب : ۱)

"(اصل میں تو) ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور ہلاک و برباد ہو گیا وہ خود"۔

یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ دعوت و تبلیغ کے میدان میں ابتدا تو اگرچہ آں حضور ﷺ نے خود فرمائی' لیکن جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر ایک داعیٔ حق بن گیا۔ ان میں نمایاں ترین مقام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد وہ خود مجسّم داعی بن گئے' خود مبلغ بن گئے۔ چنانچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو چوٹی کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں' جنہیں ہم عشرۂ مبشرہ کے نام سے جانتے ہیں' ان میں سے چھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ایمان لائے۔ اُن میں حضرت عثمان بھی ہیں' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بھی ہیں' حضرت طلحہ بھی ہیں' حضرت زبیر بھی ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم۔ دعوت کے اس عمل پر جو ردِّ عمل کفار کی طرف سے اور سردارانِ قریش کی جانب سے ظاہر ہوا اُس میں بھی ہمیں ایک عجیب ترتیب نظر آتی ہے' وہی ترتیب جو ہمیشہ کسی انقلابی دعوت کے خلاف ردِّ عمل میں ظاہر ہونی ضروری ہے۔ چنانچہ فوری ردِّ عمل جو ابتدا میں ظاہر ہوا وہ استہزاء اور تمسخر کا تھا۔ گویا کہ چٹکیوں میں بات اُڑانے کی

کوشش کی گئی۔ حضور ﷺ کو مجنون قرار دیا گیا' آپؐ پر معاذ اللہ پاگل پن کی پھبتی کسی گئی۔ کہا گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خلل دماغی کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے' یا شاید کسی آسیب کا اثر ہو گیا ہے' یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں' اچھے بھلے آدمی تھے نہ معلوم کیا ہوا۔ (نقل کفر' کفر نہ باشد) نبی اکرم ﷺ جب یہ باتیں سنتے تھے اور آپؐ کے قلب مبارک پر رنج و اندوہ کی کیفیت طاری ہوتی تھی تو تسلی و تشفی و دلجوئی کے لئے وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ○ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○ ﴾

(القلم : ۱-۴)

"ن۔ قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔ (اے نبیؐ) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں' اور یقیناً آپؐ کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اور بے شک آپؐ اعلیٰ اخلاق کے مرتبے پر فائز ہیں"۔

اس کے بعد جب بات آگے بڑھی' قریش نے یہ دیکھا کہ جسے ہم ایک مشت غبار سمجھے تھے وہ تو ایک بہت بڑی آندھی کی صورت اختیار کر رہی ہے' ہمارے اقتدار' ہماری سیادت' ہماری دیرینہ روایات' ہمارے تہذیب و تمدن اور ہمارے عقائد و مذہب کے خلاف ایک بہت بڑی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے' گویا کہ علّامہ اقبال کے الفاظ میں انہوں نے دیکھا کہ ؏

"نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!"

تو اب پھر وہی ردِّعمل ظاہر ہوا جو ہمیشہ ظاہر ہوتا ہے' یعنی بہیمانہ تشدّد' شدید persecution ـــــ اور ظاہر بات ہے کہ اس کا سب سے بڑا حصّہ انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حصّے میں آیا جو کہ غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے' جن کا کوئی حمایتی نہیں تھا' جن کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں تھا' جیسے حضرت بلال' حضرت خباب بن الاَرت اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہم۔ ان سب پر جو کچھ بیتی وہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے بڑے اَنمٹ نقوش ہیں' اور انہوں نے جس طرح صبر اور استقامت کے ساتھ' جس پامردی کے ساتھ ان

تمام مصائب کو جھیلا ہے اور ایمان پر ثابت قدم رہے ہیں وہ تاریخ دعوت و عزیمت کے نہایت اہم نشاناتِ راہ ہیں۔

جب یہ محسوس کرلیا گیا کہ ہمارے یہ تمام حربے ناکام ہو چکے، کسی ایک شخص کو بھی ہم ایمان سے کفر میں نہیں لاسکے، ہمارا یہ سارا تشدّد ناکام ہو چکا، تو پھر تیسرا حربہ آزمایا گیا۔ یہ حربہ ہے مصالحانہ پیش کشوں کا، یہ جال ہے لالچ کا۔ چنانچہ ابنِ ربیعہ قریش کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور ﷺ کی خدمت میں آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے محمد! (ﷺ) اگر تم بادشاہت کے خواب دیکھ رہے ہو تو اگرچہ ہم اس مزاج کے نہیں ہیں کہ کسی کو بادشاہ مان سکیں، لیکن تمہیں ہم اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرلیں گے، اگر تمہیں دولت چاہئے تو ذرا اشارہ کرو، قدموں میں دولت کے انبار لگا دیئے جائیں گے، کہیں شادی کرنے کی خواہش ہو تو صرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہوگی، جس گھرانے میں کہو تمہارے شادی کرادی جائے گی، لیکن بہرحال تم اس کام سے باز آجاؤ جس نے قریش کے اندر تفرقہ برپا کردیا ہے۔ اس کا جو جواب دیا محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے وہ تاریخ عزیمت میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا :

> "اگر تم لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو تب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا جس پر میں اپنے رب کی جانب سے مامور ہوا ہوں۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وقت بھی آیا کہ آخری الٹی میٹم دیا گیا۔ ایک وفد ابو طالب کے پاس آتا ہے جو حضور ﷺ کی پشت پناہی کئے چلے جارہے ہیں اور انہی کی وساطت سے بنو ہاشم کا پورا خاندان گویا نبی اکرم ﷺ کی پشت پر تھا۔ قریش کی طرف سے انہیں الٹی میٹم ملتا ہے کہ اے ابو طالب! ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، اب دو ہی راستے ہیں، یا محمد کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ (ﷺ) اور یا پھر میدان میں آؤ اور مقابلہ کرو۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ابو طالب کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بلایا اور یہ کہا کہ بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جسے میں برداشت نہ کرسکوں۔ اور یہی وہ واحد موقع نظر آتا ہے جب حضور ﷺ کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ تاہم آپؐ نے بات وہی کہی جو عزیمت کا

تقاضا تھا۔ فرمایا :

"چچا جان! اب یا تو یہ کام پورا ہو کر رہے گا جو میرے رب کی طرف سے میرے حوالے کیا گیا ہے' اور یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا"۔

نبی اکرم ﷺ پر ذاتی اعتبار سے بھی ایذا و آزمائش کے بہت سے مراحل آئے۔ آپ ﷺ پر دست درازی بھی ہوئی' آپؐ کے شانۂ مبارک پر راکھ بھی ڈالی گئی' آپؐ کے راستے میں کانٹے بھی بچھائے گئے' آپؐ کی گردن میں ایک چادر پھندے کی صورت میں ڈال کر' اُس کو بل دے کر اُس کے دونوں سروں کو کھینچا گیا کہ آپؐ کی آنکھیں اُبل آئیں۔ ایسا بھی ہوا کہ آپؐ اپنے خالق کے سامنے عین کعبے کی دیوار کے سائے میں سربسجود تھے اور وہاں عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کی شہ پر ایک اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی حضور ﷺ کے شانۂ مبارک پر رکھ دی۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب یہ تعدّی' یہ تشدد' یہ ظلم و ستم انتہائی شدت کی صورت اختیار کرتا ہے اور پورے خاندانِ بنی ہاشم کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تین سال تک ایک گھاٹی میں محصور ہو کر گویا کہ ایک طرح کی نظربندی کی صورت میں بسر کرنے پڑتے ہیں' جس کے دوران شدید ترین مقاطعہ ہے اور کھانے پینے کی کوئی چیز گھاٹی میں داخل نہیں ہونے دی جا رہی۔ اس دوران وہ وقت بھی آیا کہ بنی ہاشم کے بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کے حلق میں ڈالنے کے لئے اس کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا کہ چمڑے کے سوکھے جوتوں کو اُبال کر اُن کا پانی ٹپکا دیا جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے ذاتی ابتلاء کا ابھی نقطۂ عروج باقی تھا جو ۱۰ نبوی میں سامنے آگیا۔ اس سال اگرچہ شعب بنی ہاشم کی اس نظربندی سے تو رہائی مل گئی لیکن اللہ کی طرف سے امتحان و ابتلاء اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئے کہ ایک ہی سال میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور ابو طالب کا بھی۔ گھر میں ایک دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات تھی وہ بھی نہ رہی' اور خاندان کی پشت پناہی کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ابو طالب تھے وہ بھی اٹھ گئے۔ یہ وہ سال ہے جسے نبی اکرم ﷺ "عام الحزن" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ یہ رنج و غم اور اندوہ کا سال ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○

قرآن حکیم کی چند بنیادی اخلاقی تعلیمات

آیۂ بِرّ کی روشنی میں

تحریر : عارفین بشیر

معاشرتی زندگی میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت مسلّم ہے۔ ایک صالح سماج کا قیام اعلیٰ اخلاق کے حامل افراد کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلام اخلاقِ حسنہ کی اہمیت نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اپنے نظامِ حیات میں ان کو اہم مقام عطا کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایمان اور ارکانِ اسلام کے علاوہ جن باتوں کو انسانی کامیابی کے لئے لازمی قرار دیا ہے' اُن میں حسن اخلاق کا درجہ بہت بلند ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں تکمیل اخلاقِ حسنہ کو بعثت کے مقاصد میں سے قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ)) "مجھے اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ ذاتی طور پر حسن اخلاق کے لئے تہجد کی نماز میں خصوصی دعائیں کیا کرتے تھے :

((وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ ' وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَاتِهَا ' لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّاٰتِهَا اِلَّا اَنْتَ)) (مسلم)

"اور اے میرے خدا! میری بہتر سے بہتر اخلاق کی طرف راہنمائی کر! تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا۔ اور بُرے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے! اور ان کو کوئی نہیں پھیر سکتا مگر تو ہی"۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ایسی کئی اور دعائیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً:

((اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ وَالْاَدْوَاءِ))

(بلوغ المرام)

"یا اللہ مجھے بُری خصلتوں بُرے عملوں' بُری خواہشوں اور بیماریوں سے محفوظ رکھ"۔

((اَللّٰھُمَّ کَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ)) (بلوغ المرام)

"الٰہی! جس طرح تو نے مجھے جسمانی لحاظ سے خوب بنایا ہے اسی طرح میرے اخلاق کو اچھا کر!"

خیر الانام محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعے بارہا اخلاقِ حسنہ کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔ جیسے فرمایا :

((مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ)) (بلوغ المرام)

"حسنِ خُلق سے بڑھ کر کوئی چیز ترازو میں بھاری نہیں"۔

اور

((اَکْثَرُ مَا یُدْخِلُ الْجَنَّۃَ تَقْوَی اللّٰہِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) (بلوغ المرام)

"بہت بڑی چیز جو بہشت میں داخل کرے گی وہ اللہ کا تقویٰ اور حسنِ خُلق ہے"۔

قرآن حکیم میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت' فضیلت اور دیگر پہلوؤں کو کئی مقامات پر نمایاں کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۷۷ بہت جامع ہے۔

﴿ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ ﴾

(البقرۃ : ۱۷۷)

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف' بلکہ حقیقی نیکی تو اُس شخص کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' یوم آخر پر' ملائکہ پر' (اللہ کی نازل کردہ) کتاب پر اور اس کے پیغمبروں پر۔ اور خرچ کیا اس نے اپنا مال' دِل پسند ہونے کے باوجود' رشتے داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر' اور غلاموں کی رہائی پر۔ اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ اور (نیک لوگ وہ ہیں کہ) جب عہد کریں تو اسے وفا کریں' اور

خصوصاً تنگی و مصیبت کے وقت میں اور (حق و باطل کی) جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ یہ ہیں جو راست باز لوگ ہیں' اور یہی ہیں جو متقی ہیں"۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں نیکی کے روایتی' ناقص اور محدود تصور کی بجائے جامع اور وسیع تصور کو واضح کیا گیا ہے۔ اس آیت میں درج ذیل نکات مذکور ہیں :

(۱) ایمان (۲) ایتاءِ مال (۳) عبادات (۴) ایفاءِ عہد (۵) صبر و ثبات

نیکی کے جامع تصور میں قرآن مجید میں مذکور پانچ نکات میں سے تین کا تعلق انسانی اخلاقیات سے ہے۔ گویا نیکی کے قرآنی معیار پر پورا اترنے والے افراد' جن کو صادقین اور متّقین کے القابات سے موسوم کیا گیا ہے' کے کردار میں اخلاقِ حَسنہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بالفاظِ دیگر نیکی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے اوصافِ حمیدہ کو اختیار کرنا لازمی ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم : "قانونِ اخلاق یا صائب نصب العین کا قانون انسان کی عمیق ترین فطرت اور انتہائی اندرونی خواہش ہے۔ یہ راہ انسانی فطرت کے ارتقاء کا ذریعہ ہے۔ اس راستہ سے ہمارے لئے آزادی اور ترقّی کا حصول ممکن ہے"۔ گویا دَورِ جدید میں کسی بھی معاشرے بالخصوص اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے اعلیٰ اخلاقی اقدار سے متصف افراد کی موجودگی لازمی ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی "علم بِالوحی" اور "انسانی استعداد کے زائیدہ علم" کے درمیان امتیاز پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہیں : "علم بِالوحی عمل کا یعنی نصب العین اور اس کے حصول کے ضامن لائحہ عمل کا علم ہے۔ اور انسانی علم محسوسات کا علم ہے' جس کی نشوونما کی تکمیل کا رُخ ابھی تک اس وجہ سے متعین نہیں ہو سکا کہ اس کی نشوونما اقدام و خطا کے انداز میں ہوتی رہی ہے"۔

اخلاقیات کے ضمن میں اس کی وضاحت سید سلیمان ندوی مرحوم نے کچھ یوں کی ہے : "یہیں آکر فلسفۂ اخلاق اور اسلامی اخلاق کے اصول کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ حکمائے اخلاق یہ ڈھونڈتے ہیں کہ انسانی اخلاق کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے اور معلّمِ حکمت علیہ السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان کو اپنے اخلاق کی غرض و غایت کیا قرار دینی چاہئے"۔

سید سلیمان ندوی مرحوم نے اسلام کے اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے : "اخلاق کی خوبی ان کے علم و فلسفہ میں نہیں بلکہ عمل میں ہے.....اس بناء پر اس نے ان اصولوں کی طرف اشارے تو کئے ہیں مگر اخلاق کے باب میں اس کی عالمانہ تحقیق و تلاش کو کوئی اہمیت نہیں دی"۔

مختصر یہ کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں "غرض و غایت" یعنی "نصب العین" اور اس کے حصول کے لئے "عمل" کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام ان دونوں کی درستی پر زور دیتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نقص اخلاقی عمل کی وقعت کو کم کر دیتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں تو عمل اپنے اُخروی نتائج کے اعتبار سے بے سود ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاقیات میں جذبۂ محرکہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لئے شرعی اصطلاح "نیت" ہے۔ دل کا ایسی چیز کی طرف ابھرنا جس کو اپنی غرض و نفع کے موافق سمجھتا ہے' نیت کہتے ہیں۔ جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو اسے گھر سے باہر نکالنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے؟ یعنی اگر ثوابِ آخرت ہے تو یہی اس کی نیت ہے اور اگر باعثِ مالِ غنیمت یا شہرت و نیک نامی کا حاصل کرنا ہے' تو اسی کو اس کی نیت کہا جائے گا۔ چنانچہ ایمانیات میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا تعلق جذبۂ محرکہ سے ہے۔ ایمان باللہ (اللہ کی محبت) مثبت جبکہ ایمان بالآخرۃ منفی جذبہ محرکہ ہے۔ ایمان بالرّسالت سے عمل کا ایک حسین نمونہ سامنے آتا ہے۔

آیۂ بر میں ایمانیات کے بعد ایتاءِ مال کو بیان کیا گیا ہے۔ بعد ازاں دیگر اخلاقی اقدار جیسے ایفاءِ عہد اور صبر مذکور ہیں۔ گویا ایمان اور اخلاقِ حسنہ کا باہم گہرا تعلق ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ جیسے اہلِ ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ ﴾ (القصص : ۵۴)

"وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دہرا اس بات پر کہ قائم رہے' اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں"۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ ﴾ (المعارج : ۳۲)

"اور جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة : ۳)

"جو کہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ ﴾ (آل عمران : ۱۳۴)

"جو خرچ کئے جاتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں' اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو"۔

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ﴾

(الدھر : ۸'۹)

"اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبّت پر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں' سو خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو' نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکر گزاری"۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنے پُر نور فرامین میں ایمان اور اخلاق کے باہم تعلق کو واضح کیا ہے۔ فرمایا :

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا)) (ترمذی)

"مؤمنوں میں مکمل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں"۔

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ : ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهٖ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) (بلوغ المرام)

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا : "اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' کوئی بندہ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہے جب تک وہ اپنے ہمسائے کے لئے وہی بات پسند

نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

عَنْ اَنَسٍ ﷺ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ : ((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) (رواه البيهقى)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کوئی خطبہ ایسا کم ہی دیا ہو گا جس میں یہ نہ فرمایا ہو : "جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں وفاءِ عہد نہیں اس کا دین ہی نہیں"۔

ایمان کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آیۂ بر میں ایمانِ حقیقی کا تذکرہ ہے، جسے امین احسن اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں : "ایمان سے یہاں، سیاق و سباق دلیل ہے کہ، حقیقی ایمان مراد ہے، اس لئے کہ حقیقی ایمان ہی وہ چیز ہے جس سے آدمی خدا کی وفاداری کا حق ادا کر سکتا ہے"۔

ایمان حقیقی انسانی شخصیت میں اخلاقِ حسنہ کے بیج کی پرورش کر کے اس کے کردار کو شجر سایہ دار بنا دیتا ہے۔ جب ایک مسلمان صوفی سے کسی نے پوچھا کہ وہ کیا طریق ہے کہ ہم منہیات و بلیات سے طمانیت اور استقلال کے ساتھ آزاد ہو جائیں تو انہوں نے کہا "اِیْمَان باللّٰه"

آیۂ بر میں مذکور اعمال کا جزوِ اعظم اخلاقِ حسنہ پر مشتمل ہے۔ اخلاقی اقدار کی اگرچہ اَن گنت شاخیں قرآن مجید اور احادیث میں بیان ہوئی ہیں مگر نیکی کی حقیقت کی بحث میں چند مخصوص اخلاقی اعمال کا تذکرہ ان کی بنیادی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اب ہم آیہ بر میں مذکور اخلاقِ حسنہ کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

○ ایتاءِ مال

نوعِ بشر کے ساتھ ہمدردی ایک فطری انسانی جذبہ ہے جس کا اظہار بے شمار عملی صورتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں ایتاءِ مال کا خصوصی ذکر ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ نوعِ انسانی سے رافت و رحمت کے سلوک میں سب سے بڑی رکاوٹ اور لوگوں کے استحصال کا بڑا سبب مالی مفادات ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص معاشی مفادات کے علی الرغم دوسروں

کی تکالیف رفع کرنے کے لئے مال خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے کردار کی عظمت کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں ایتاءِ مال کی بدولت معاشرے کے کمزور طبقات سے ہمدردی و غم خواری کے دیگر معاملات کا اظہار آسان تر ہو جاتا ہے۔ ایتاءِ مال کا ایک ذریعہ تو زکوٰۃ ہے جو اسلام کا اہم رکن ہے۔ علاوہ ازیں نفلی صدقات و نفقات ہیں' یہاں انہی کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ایتاءِ مال کے لئے کئی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ : یہ اصطلاح غرباء و مساکین اور غلبۂ دینِ حق کی جِدّ و جُہد میں مال خرچ کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ . . . ﴾

(المنافقون : ۱۰)

"اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں سے کسی کو موت"۔

نیکی میں درجۂ کمال کا حصول انفاق کے ساتھ مشروط ہے۔

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾ (آل عمران : ۹۲)

" ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ"۔

خلوصِ نیت سے انفاق کرنے والوں کی فضیلت دو تمثیلوں میں یوں بیان فرمائی :

① ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ ﴾ (البقرة : ۲۶۱)

"مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ' اس سے اگیں سات بالیں' ہر بال میں سو سو دانے"۔

② ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ ﴾ (البقرة : ۲۶۵)

"اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر' ایسے ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر' اس پر پڑا زور

کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند' اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے"۔

صَدَقہ : صدقات کی اصطلاح زکوٰۃ اور نفلی خیرات کے لئے آئی ہے۔ صدقہ اس اعتبار سے کہ یہ انسان کے سچے معنی میں شریف' نیک اور صاحب مروت ہونے اور سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے وعدۂ جزا اور وعید سزا پر یقین رکھنے کی علامت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا :

﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ ﴾ (البقرۃ : ۲۷۶)

"مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو"۔

اعلانیہ اور چھپا کر صدقہ کرنا اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ ﴾ (البقرہ : ۲۷۱)

"اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے' اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو بہتر ہے تمہارے حق میں"۔

رسول اکرم ﷺ کو مؤمنین سے صدقات کی وصولی کا حکم دیا گیا :

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا . . ﴾ (التوبۃ : ۱۰۳)

" اُن کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کر دیں"۔

جہاد فی سبیل اللہ بالمال : یہ اصطلاح اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں مال خرچ کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن حکیم نے جہاد کو ایمانِ حقیقی کا لازمی جزو قرار دیتے ہوئے جہاد بالمال کا خاص طور پر ذکر کیا ہے :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الحجرات : ۱۵)

"ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شبہ نہ لائے' اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے"۔

قرآن مجید میں جہنم سے بچاؤ کا جو نسخہ اہل ایمان کو بتایا گیا ہے اس کا جزوِ لاینفک

جہاد بالمال ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ (الصّف : ۱۰'۱۱)

"اے ایمان والو! میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو بچائے تم کو ایک عذابِ دردناک سے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور اپنی جان سے"۔

اِعطاء: یہ اصطلاح عمومی طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى○ ﴾ (الیل : ۵-۷)

"سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا' اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس کو ہم سہج سہج پہنچادیں گے آسانی میں"۔

قرضِ حَسَنہ : غلبہ ٔ دینِ حق کی جِدّوجُہد میں مال خرچ کرنے کے لئے قرضِ حسنہ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

﴿ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ (المائدۃ : ۱۲)

" اگر تم قائم رکھو گے نماز اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو البتہ دُور کروں گا تم سے گناہ تمہارے اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں"۔

تفسیرِ عثمانی کے حواشی میں اس مقام پر لکھا ہے کہ خدا کو قرض دینے سے مراد اس کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں مال خرچ کرنا ہے۔

قرآن حکیم میں صدقات اور قرضِ حسنہ کی اصطلاحات کے فرق کو بیان کیا گیا ہے :

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ (الحدید : ۱۸)

"تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح ان کو ملتا ہے دونا اور ان کو ثواب ہے عزت کا"۔

قرآن حکیم ایتاءِ مال کے کچھ اصول بھی بیان کرتا ہے' جس سے مال خرچ کرنے کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور موانع دُور ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں اس کے کئی پہلو بھی واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ اس سلسلے میں اصل الاصول یہ ہے کہ کائنات کے تمام خزائن اور مال و دولت خالق ارض و سماوات کی ملکیت ہے۔ انسان سرمائے کا مالک نہیں' فقط امین ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر منافقین کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا

﴿ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . . . ﴾ (المنافقون : ۷)

"اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے"۔

اسی طرح اہل ایمان کو انفاق سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے جھنجھوڑا گیا ہے :

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الحدید : ۱۰)

"اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں' اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں"۔

۲۔ دنیا اور اس کا ساز و سامان بے ثبات ہے' ایک آزمائش اور دھوکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ (الحدید : ۲۰)

"اور دنیا کی زندگانی تو یہی ہے مال دغا کا"۔

﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ﴾ (النساء : ۷۷)

"کہہ دے فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے' اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو"۔

﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن : ۱۵)

"تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں"۔

۳۔ ایتاءِ مال میں صرف اللہ کی رضا ہی مطلوب ہونی چاہئے۔ بصورتِ دیگر انسان اُخروی اجر و ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔

﴿ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (البقرۃ : ۲۷۲)

"جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضاجوئی میں' اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا"۔

﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾ (الدّھر : ۹)

"ہم جو تم کو کھلاتے ہیں' خالص اللہ کی خوشی چاہنے کو' نہ تم سے چاہیں بدلہ اور نہ چاہیں شکرگزاری"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (البقرۃ : ۲۶۲)

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں' پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں' انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں"۔

۴۔ ایتاءِ مال سے دولت کم نہیں ہوتی' بلکہ بڑھتی ہے۔ جیسے فرمایا :

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ (الحدید : ۱۱)

"کون ایسا ہے جو قرض دے اللہ کو اچھی طرح' پھر وہ اس کو دونا کر دے اس کے واسطے اور اس کو ملے گا ثواب عزت کا"۔

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴾ (الحدید : ۱۸)

"تحقیق جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد اور عورتیں' اور قرض دیتے ہیں

اللہ کو اچھی طرح ان کو ملتا ہے دونا اور ان کو ثواب ہے عزّت کا"۔

﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ ﴾ (البقرة : ۲۷۶)

"مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو"۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم ہو جانے کا خوف سراسر شیطان کا فریب ہے۔

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ . . . ﴾ (البقرة : ۲۶۸)

"شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگ دستی کا . . ."

﴿ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۲۰)

"اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان سو سب فریب ہے"۔

۵۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تزکیۂ نفس کا باعث ہے' بلکہ صدقہ اُن اہم ترین ذرائع میں سے ہے جو تزکیۂ نفس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کو قرآن حکیم میں حکم صادر فرمایا گیا :

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا . . . ﴾

(التّوبة : ۱۰۳)

"ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کردیں"۔

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ ﴾ (الیل : ۱۷)

"بچالیا جائے گا اس سے بڑا ڈرنے والا' جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو"۔

۶۔ نیکی میں کمال تک رسائی اپنی محبوب ترین شے اللہ کی راہ میں خرچ کئے بغیر ممکن نہیں

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ ﴾ (آل عمران : ۹۲)

"ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ"۔

۷۔ ایتاءِ مال کی اعلیٰ شکل یہ ہے کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہے انسان اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ ﴾ (البقرة : ۲۱۹)

"اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے"۔

ہنگامی قسم کے حالات میں جب قومی و ملکی ضروریات زیادہ شدید اور ملت کی بناء خطرے میں ہو تو العفو کی مقدار کا تعیّن اور طرح سے کیا جائے گا اور معمول کے حالات میں اور طرح سے۔ عام تصور کے مطابق "العفو" ہی ایتاءِ مال کی آخری منزل ہے' لیکن قرآن مجید اور سیرتِ نبویؐ سے اس سے بھی بلند تر درجے کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے۔

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر : ۹)

"اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ"۔

۸۔ صدقات کے وقت اچھا مال یا اشیاء اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد کیا جائے۔

﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ . . . ﴾ (البقرة : ۲۶۷)

"اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو . . . "

۹۔ کسی کو مال دے کر اس پر احسان نہ جتلایا جائے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى . . . ﴾

(البقرة : ۲۶۴)

"اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات کو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر"۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (البقرة : ۲۶۲)

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں' پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں"۔

۱۰۔ اللہ کی راہ میں کھلے عام اور چھپا کر دونوں صورتوں میں مال خرچ کرنے میں مضائقہ نہیں' مگر چھپا کر دینا بہتر ہے۔

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ (بقرة : ۲۷۱)

"اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے' اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں

کو پہنچاؤ تو بہتر ہے تمہارے حق میں"۔

۱۱۔ سوسائٹی کی تنظیم کا بڑا بنیادی اصول "الاقرب فالاقرب" ہے۔ چنانچہ مال خرچ کرنے کا آغاز پہلے قریبی رشتہ داروں سے ہونا چاہئے' بعد ازاں دیگر حق داروں کی باری آتی ہے۔

﴿ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ . . . ﴾

(البقرہ : ۱۷۷)

"اور دیا مال' اس کی محبت کے علی الرغم' رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو . . . "

۱۲۔ انفاق فی سبیل اللہ سے نیکی کے راستے پر چلنا آسان تر ہو جاتا ہے۔

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ○ ﴾ (الیل : ۵-۷)

"سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں"۔

مال خرچ کرنے کے حوالے سے دو پہلو بہت اہم ہیں۔ ایک بخل اور دوسرا اسراف۔ بخل کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً و مروۃً ضروری ہو اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔ جو فیوض و برکات اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں انسان بخل کی بدولت ان سب سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر بخل کی مذمت کی گئی ہے :

﴿ وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ○ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ ﴾

(الھمزۃ : ۱'۲)

"خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا"۔

﴿ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○ ﴾ (الیل : ۸-۱۰)

"اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا' اور جھوٹ جانا بھلی بات کو' سو اس کو ہم سہج

سمجھ پنچادیں گے سختی میں"۔

بخیل سمجھتا ہے کہ مال کا جمع کرنا اس کیلئے مفید ہے۔ جبکہ حقیقتاً یہ اس کیلئے باعث شر ہے۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾ (آل عمران : ۱۸۰)

"اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں' بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں"۔

یہ تو ذکر تھا انفاق فی سبیل اللہ سے اعراض کی اُخروی سزا کا۔ دنیا میں بھی اس کی فوری سزا مل سکتی ہے۔ انفاق نہ کرنے کی دنیوی سزا نفاق ہے۔ یعنی ایمان میں شکوک و شبہات کے کانٹے چبھنے لگتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان مال کے فتنے میں مبتلا ہو کر بالآخر ایمانِ حقیقی کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے۔

ایک انسان' بالخصوص مسلمان' بخل جیسی مہلک بیماری میں کیوں مبتلا ہو جاتا ہے؟ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ دراصل اسے دو غلط فہمیاں لاحق ہو جاتی ہیں :

۱۔ میری چیز ہے' دوسروں کو کیوں دوں؟

۲۔ دوسروں کو دوں گا تو مال میں کمی ہو گی' جس سے ضرورت کے وقت مجھے تکلیف ہو گی۔

ان دونوں غلط فہمیوں کو قرآن مجید نے کئی مقامات پر رفع کیا ہے۔ پہلی کوتاہ فہمی کے بارے میں تو واضح طور پر فرمادیا کہ کائنات کی ہر شے بشمول مال و دولت دنیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ دوسرے خدشے کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ رزق کی فراہمی کی ذمہ داری اللہ پر ہے' حتیٰ کے جانوروں تک کو رزق پہنچانا اس نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ رزق میں کشائش و تنگی آزمائش کے طور پر ہے' چنانچہ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مزید برآں دوسروں کو دینے سے مال کم نہیں ہوتا' حقیقت میں بڑھتا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب ثروت لوگوں کے مال میں سائلین اور محرومین کا حق

بھی ہوتا ہے جس کی ادائیگی لازمی ہے۔

بخل کی ضد اسراف ہے۔ بلا ضرورت کوئی چیز خرید نا یا خرچ کرنا اسراف ہے۔ اور اس کی حقیقت تجاوز عن الحد ہے۔ اسراف اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں کرتا۔

﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾

(الاعراف : ۳۱)

"اور کھاؤ پیو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے"۔

اسراف کا معاملہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کے کام میں بھی اس بُری روش کو پسند نہیں کرتا

﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۱۴۲)

"کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت وہ پھل لاویں اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ اللہ کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے"۔

دوسری جگہ انہیں شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۖ ﴾ (بنی اسرائیل : ۲۷)

"بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے"۔

گویا جائز طریقوں پر حاصل ہونے والی دولت پر تصرف کے بارے میں فرد کو بالکل چھٹی نہیں دی گئی' بلکہ اس پر کچھ قانونی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں' تاکہ کوئی فرد اپنی ملکیت میں کسی ایسے طریقے سے تصرف نہ کر سکے جو معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو اور جس میں خود فرد کے دین اور اخلاق کا نقصان ہو۔

اسراف کرنے والوں کی نفسیات پر غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ اکثر و بیشتر جذباتی اور متلوّن مزاج لوگ ہوتے ہیں' جو یا تو نیکی کے کسی وقتی جذبے کے تحت خرچ کرتے ہیں یا ذاتی نمود و نمائش ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگ پچھتاوے کا شکار

ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے :

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ۲۹)

"اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ' اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا' پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہوا ہارا ہوا"۔

قرآن مجید نے اسراف اور بخل سے ہٹ کر جو قاعدہ اہل ایمان کے لئے مقرر کیا ہے وہ عدل و توازن پر مبنی ہے۔ یعنی نہ تو بے جا اور بلا ضرورت خرچ کیا جائے اور نہ ہی ہاتھ اتنا تنگ کر لیا جائے کہ ضرورت کے وقت بھی انسان خرچ کرنے سے ہچکچاتا رہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ (الفرقان : ٦٧)

"اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں۔ اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گزران"۔

یہاں ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ حرام خوری اور مال کے ضیاع یا اسراف میں ایک گہرا تعلق ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ مالِ حرام بود بجائے حرام رفت۔ اگر حلال و حرام کی پابندیاں توڑنے کی اجازت نہ دی جائے' تو اسراف و تبذیر بڑی حد تک ختم ہو جائیں۔

(جاری ہے)

وقت کے نہایت اہم' انتہائی نازک اور حساس موضوع پر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی وقیع تالیف

شیعہ سنی مفاہمت

کی ضرورت و اہمیت

ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور فون : 3-5869501

اسلام کا تصوّرِ تحقیق اور جدید سائنس

تحریر : نعیم احمد خان

جدید سائنسی طریق کار عملِ استخراج (Deduction) اور عملِ استقراء (Induction) کے امتزاج سے وجود میں آیا' لیکن اس طریق تحقیق نے اتفاقاً جنم نہیں لیا' بلکہ اس کی پشت پر بے شمار انسانوں کی صدیوں پر محیط جدوجہد کارفرما ہے۔ اوّلاً چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو نے استخراجی طرزِ فکر کو ایک منظم انداز میں متعارف کروایا۔ پھر بعض مغربی مفکرین کے بقول ۱۷ویں صدی میں فرانسس بیکن نے استقرائی طرزِ تحقیق کی بنیاد رکھی اور یوں جدید سائنسی طرزِ تحقیق نے جنم لیا۔ چنانچہ فرانسس بیکن یا اس کے ایک ہم نام روجر بیکن کو علمی تحقیق کا بانی قرار دیا جانے لگا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرانسس بیکن یا روجر بیکن ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں نتائج اخذ کرنے کی صورت میں سائنسی طریق تحقیق کی بنیاد رکھی؟ تاریخ اس نقطۂ نظر کی نفی کرتی ہے اور مسلمانوں کو سائنسی تحقیق کا موجد قرار دیتی ہے۔ پھر اسلام کے تصورِ تحقیق کے مطابق سائنسی طرزِ تحقیق ۱۷ویں صدی کی پیداوار نہیں' بلکہ یہ تصور تو اسلام نے اس سے سینکڑوں سال قبل ہی انسان کو دے دیا تھا۔

اسلام کا تصورِ علم و تحقیق

زمانہ قدیم میں مشاہدات و تجربات کا تصور ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ لوگ عموماً سنی سنائی باتوں پر ہی یقین رکھتے جن کے لئے اُن کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی۔ پھر اسلام نے مشاہدات سے کام لینے پر زور دیا۔ یہاں اسلام سے مراد اسلام کا آخری version یعنی قرآن و سنّت کی تعلیمات ہیں۔ یوں تو اسلام تاریخ انسانی کے کسی خاص عرصہ کی پیداوار نہیں' بلکہ قرآنی تعلیمات کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا پر پہلے انسان ہی نہیں پہلے نبی بھی تھے۔

اسلام میں مشاہدات و تجربات پر علم کی بنیاد رکھنے کی ایک ابتدائی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں ملتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (الانعام : ۷۷-۸۰)

"اور جب رات ہوئی تو انہوں (حضرت ابراہیمؑ) نے ایک تارا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ چھپ گیا تو کہنے لگے میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب انہوں نے چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے' مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو کہنے لگے : اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی تو میں راہ بھٹک جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے' یہ بڑا ہے' مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے : اے میری قوم! بلاشبہ تم جو شرک کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنا رخ اُس (اللہ) کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین و آسمان کو تخلیق کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں"۔

اس طرح مشاہدات و تجربات سے گزرتے ہوئے بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اسے مشاہدات و تجربات کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کی قدیم ترین مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں حصولِ علم کے ضمن میں مشاہدات و تجربات کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور بار بار مختلف انداز اور اسلوب اختیار کرتے ہوئے عقل و شعور سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

مشاہدات و تجربات کی ترغیب پر مبنی قرآنی آیات

قرآن مجید محض سنی سنائی باتوں اور دلائل و براہین سے عاری معلومات پر انحصار کی

شدت سے نفی کرتا ہے اور غور و فکر کی ترغیب دلاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۰ میں فرمایا گیا :

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا' چاہے ان کے باپ دادا عقل سے کام نہ لیتے ہوں اور نہ ہی ہدایت یافتہ ہوں"۔

یعنی کسی عمل یا بعض معلومات کو محض اس بناء پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ روایتی طور پر نسل در نسل چلی آ رہی ہے' اس لئے کہ اس میں غلطی کا پورا امکان موجود ہے۔ چنانچہ بغیر سوچے سمجھے ایسی معلومات پر انحصار درست ہے نہ مسلسل عمل پیرا رہنا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا :

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

(الانعام : ۵۰)

"آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور بصیرت رکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ تم لوگ غور کیوں نہیں کرتے"۔

اندھا ہمیشہ دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے جبکہ بصارت و بصیرت رکھنے والا فرد چیزوں کو دیکھتا ہے' ان کا مشاہدہ و تجربہ کرتا ہے۔ اس آیت میں اندھے اور صاحب بصارت کی مثال دے کر ترغیب دلائی گئی ہے کہ اندھوں کی طرح سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کرو' بلکہ بصیرت رکھنے والوں کی طرح خود مشاہدات و تجربات سے حقائق تلاش کرو۔ سورۃ الانفال میں فرمایا گیا :

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

(الانفال : ۲۱'۲۲)

"اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سن لیا' حالانکہ وہ سنتے نہیں۔

یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین حیوان وہ گونگے بہرے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے"۔

یعنی یوں تو سبھی لوگ مظاہر فطرت کو دیکھتے ہیں، مگر ان پر غور و فکر نہیں کرتے، محض سرسری نظر سے دیکھ لینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ مظاہر فطرت کا گہرا مشاہدہ ہی حقائق سے پردہ اٹھا سکتا ہے۔ اس آیت میں مظاہر فطرت سے صرفِ نظر کرنے والوں کو بدترین حیوان قرار دیا گیا ہے۔

سائنسی طریق کار کی بنیاد پر مبنی آیات

بعض اعداد و شمار کے مطابق قرآن مجید کی کل چھ ہزار سے زائد آیات میں سے ۶۵۶ آیات میں مشاہدات و تجربات سے کام لینے اور سوچ و بچار کرنے کا حکم یا ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور ان آیات میں علومِ سائنس کے مختلف شعبوں کی بنیاد مضمر دکھائی دیتی ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۱۶۴)

"بے شک زمین و آسمانوں کی پیدائش میں، اور رات دن کے بدلتے رہنے میں، اور اس کشتی میں جو سمندر میں وہ چیزیں اٹھا کر چلتی ہے جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے (بنجر ہو جانے) کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے چلنے میں اور زمین و آسمان کے درمیان تابع بادلوں میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

اس آیت میں اہل عقل و منطق کو کائنات اور مظاہر فطرت پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور ان کا مشاہدہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران

میں فرمایا :

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ○ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰'۱۹۱)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ کو کھڑے' بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے' پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے!"

سورۃ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ○ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ○ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ○ ﴾ (الروم : ۲۰-۲۲)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر یکایک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جارہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے' تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو' اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں کیلئے"۔

یعنی مظاہر فطرت پر محض سرسری نگاہ ڈالنے سے ان کی حقیقت نہیں کھلتی' بلکہ جو لوگ ان

کی حقیقت جاننے کے متمنی ہوتے ہیں اور وہ مشاہدات و تجربات اور غور و فکر کرتے ہیں انہیں ہی اصل حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ یہاں بھی بالواسطہ طور پر مشاہدات و تجربات اور غور و فکر کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ پھر سورۃ النحل میں فرمایا :

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

(النحل : ۱۲)

"اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے' اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بلاشبہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے ان میں نشانیاں ہیں"۔

ان تمام آیات اور اسی طرح کی متعدد دوسری آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مظاہر فطرت کے مشاہدے کی نہایت شد و مد سے ترغیب دلائی گئی ہے کہ ان تمام مظاہر پر غور و فکر کرو اور ان کی اصلیت جاننے کی کوشش کرو۔ ان کے مشاہدے و تجربے کے نتائج کے ذریعے حقیقت تک رسائی حاصل کرو۔ یہ مظاہر بامقصد ہیں' ان سے صرفِ نظر نہ کرو' بلکہ مسلسل ان کا مشاہدہ و تجربہ کرتے رہو۔ یعنی حقیقت و سچائی تک رسائی کے لئے مشاہدے اور غور و فکر کی پُرزور دعوت دی گئی ہے۔

مشاہدات و تجربات سے کام نہ لینے والوں کی مذمت

قرآن مجید ایسے لوگوں کی شدید مذمت کرتا ہے جو اندھوں کا سا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجربات کی جانب توجہ نہیں دیتے اور مظاہر فطرت پر غور و فکر نہیں کرتے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا :

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۶)

"اور اُس چیز کے پیچھے مت چلو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک آنکھ' کان اور دل کے بارے میں (قیامت کے دن) تم سے پوچھا جائے گا"۔

یعنی سماعت و بصارت اور فکر و نظر کی صلاحیتیں انسان کو اس لئے عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ ان

حدیث کا دوسرا شعبہ علمِ درایت ہے، جس میں محدثین نے احادیث کے قبول وعدمِ قبول کے متعدد اصول وضوابط وضع کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر کوئی حدیث قرآن مجید کے خلاف ہو، فطرت کے خلاف ہو یا سنّت اور کسی اور صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا یا ترجیح نہیں دی جائے گی۔

خلفاءِ راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محدثین و علمائے کرام رحمہم اللہ احادیث کے انتخاب اور قبول و عدم قبول میں سخت احتیاط اختیار کرتے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانچ سو احادیث کا صحیفہ حضور ﷺ سے کوئی بات غلط طور پر منسوب ہو جانے کے ڈر سے ضائع کر دیا۔ اس موقع پر آپؓ نے فرمایا :

خَشِيْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَهِيَ عِنْدِيْ فَيَكُوْنُ فِيْهَا اَحَادِيْثَ عَنْ رَجُلٍ قَدِ ائْتَمَنْتُهُ وَرَتَّقْتُهُ وَلَمْ يَكُنْ كَمَا حَدَّثَنِيْ فَاَكُوْنَ قَدْ نَقَلْتُ ذَاكَ فَهٰذَا لَايَصِحُّ

"میں ڈر گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (صحیفہ) میرے پاس ہو اور میں مر جاؤں، اور اس (مجموعے) میں ایسے شخص کی احادیث بھی شامل ہوں جس پر اگرچہ میں نے تو بھروسہ اور اعتماد کیا ہو مگر اس نے جو کچھ کہا ہو وہ ویسے نہ ہو اور میں نے اسے نقل کر دیا ہو تو یہ درست نہ ہوگا۔"(۱)

احادیثِ نبویؐ میں دنیاوی معاملات پر غور و فکر کی متعدد بار ترغیب دلائی گئی ہے، مگر ممنوعات میں غور و فکر اور عقل کے گھوڑے دوڑانے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

((اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا))

(رواہ الترمذی)

"حکمت بھری بات صاحب حکمت کی متاعِ گمشدہ ہے، اور وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جہاں بھی اسے پائے"۔(۲)

یعنی ایسا علم جو غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے بعد حاصل ہو اصل میں وہ صاحب حکمت شخص ہی کی گمشدہ متاع تھی جو اس نے محنت سے ڈھونڈ نکالی۔ حکمت کو گم شدہ میراث

قرار دے کر اِس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمان تحقیق و تفتیش کے میدان میں ہمہ وقت سرگرداں رہیں کہ یہ نیا علم ان کی کھوئی ہوئی شے کی مانند ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ایک مختلف انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ واثلہ بن اسقع نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهُ كَانَ لَهُ كِفْلاَنِ مِنَ الْاَجْرِ، فَاِنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهُ كِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ)) (رواه الدارمی)

"جس نے علم طلب کیا اور اسے پالیا اس کے لئے دہرا ثواب ہے، اور اگر (علم طلب تو کیا مگر) پا نہ سکا تو اس کے لئے اکہرا اجر ہے۔"(۳)

یعنی تحقیق و تفتیش کے میدان میں کامیابی یا ناکامی ہر صورت میں سفر جاری رکھنا ہے، پیچھے نہیں ہٹنا، اور نئے سے نئے علم کے حصول کی کوشش جاری رکھنی ہے۔ یہاں بلیغ انداز میں اشارہ ہے کہ تجربہ و تحقیق کے میدان میں ہر کوشش کا ثمر آور ہونا ضروری نہیں، اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ کوشش ترک کر دی جائے۔

اسلامی تصورِ تحقیق اور مسلمان سائنس دان

فکری و نظری سطح پر قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں سائنسی طریق تحقیق کی تمام تر اساسات اور علومِ حدیث میں اس کے عملی اظہار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے سائنسی تحقیقات کو وجود بخش کر اور سائنسی ترقی میں نمایاں کردار ادا کر کے عملاً ثابت کر دیا کہ اسلام میں غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کی کس قدر اہمیت ہے اور یہ کہ مسلمان ہی اصلاً اس انداز فکر کے بانی ہیں۔

نصیرالدین طوسی کو تیرھویں صدی عیسوی کا مشہور کیمیا دان مانا جاتا ہے۔ جابر بن حیان آٹھویں صدی کا معروف کیمیا دان تھا۔ ابو بکر محمد بن زکریا رازی کو طب کے میدان میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان کی کتاب "الحاوی" کو طبی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ بو علی سینا کی تصنیف "القانون فی الطب" میں ساڑھے سات سو سے زائد دواؤں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ کتاب سترہویں صدی تک یورپی یونیورسٹیوں میں بطورِ درسی کتاب پڑھائی جاتی رہی۔

ماہر طبیعیات ابن الہیثم کا دور دسویں صدی عیسوی ہے۔ اسے طبیعیات کے شعبہ روشنی میں امام تسلیم کیا گیا ہے۔ کیمرے کا ابتدائی اصول ابن الہیثم کا دیا ہوا ہے۔ اس نے یہ اصول سوئی چھید کیمرہ (Pin -hole Camera) کی شکل میں دیا۔ "اس دور کے عظیم یورپی علماء روجر بیکن، لیونارڈو ڈاونچی اور یوہان کیپلر وغیرہ ابن الہیثم کی بصیرت سے مستفید ہوئے اور ان پر اس کے علمی طرزِ فکر کی گہری چھاپ موجود ہے۔"(۴)

ابن شاکر کا دور نویں صدی عیسوی ہے۔ اس نے چھوٹی سے چھوٹی اشیاء کی پیمائش کے آلے کا تصور دیا۔ اس کی تصنیف "کتاب الحیل" میکانیات پر دنیا کی اولین کتاب ہے۔(۵) اسی طرح کے بے شمار مسلم سائنس دانوں نے سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں نمایاں کردار ادا کیا اور یورپ نے ان سے فیض پایا۔

اسلامی تصوّرِ تحقیق اور یورپی سکالر

بہت سے یورپی مفکرین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تجربی طریق کار مسلمانوں نے ہی متعارف کروایا۔ اور وہ مسلمانوں کی سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ جارج سارٹن لکھتا ہے :

"The ninth century was essentially a Muslim century. To be sure intellectual work did not cease in other countries, far from it, but the activity of the Muslim scholars and men of science was over whelmingly superior.(۶)

"نویں صدی یقیناً مسلمانوں کی صدی تھی۔ اس یقین کے باوجود کہ علمی کام دوسرے ممالک میں رک نہیں گیا تھا، بہرحال مسلمان علماء اور سائنس دانوں کی خدمات ان سے بہت بلند تر تھیں۔"

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے :

"Neither Roger Bacon nor his later name sake has any title to be credited with having introduced the experimental method. Roger Bacon was no more than one of the apostles of Muslim Science."(۷)

"نہ راجر بیکن اور نہ ہی اس کے بعد اس کا ہم نام تجربی طریق کار متعارف کروانے کے اعزاز کا حقدار ہے۔ راجر بیکن تو (عیسائی یورپ کے لئے) مسلمانوں کی سائنس کے سفیروں یا پیغام رسانوں میں سے ایک تھا۔"

"بعض یورپی مصنفوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے دنیا مدت تک اس غلط فہمی میں رہی کہ سائنسی علوم اور سائنسی طریق تحقیق کے موجد یورپ کے لوگ ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ سائنسی طریق تحقیق کا موجد روجر بیکن یا اس کا ایک اور ہم نام ہے۔ لیکن سائنسی علوم کی تاریخ کے موضوع پر حال کی علمی تحقیق نے اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت سے پردہ چاک کردیا کہ سائنسی طریق تحقیق جس کی بدولت موجودہ سائنسی علوم وجود میں آکر ترقی پذیر ہوئے' مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا اور یورپ کے حالیہ سائنسی علوم کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی تھی۔"(۸)

اس لئے یہ کہنا کہ "تجربی منہاج کی دریافت کا سہرا مغرب کے سر ہے' سراسر غلط ہے۔ یورپ نے اس حقیقت کو اگرچہ بہت دیر میں تسلیم کیا کہ سائنس کا منہاج دراصل مسلمانوں کی دریافت ہے لیکن بالآخر اُسے اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔"(۹)

حواشی

۱) تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی' ادارہ مجلس علمی' کراچی' ۱۹۵۶' ص ۲۸۰' ۲۸۱

۲) مشکوٰۃ المصابیح مترجم از امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری' مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ کتاب العلم' ص ۶۷

۳) ایضاً' ص ۷۲

۴) معروف مسلمان سائنس دان' شائع کردہ اُردو سائنس بورڈ' لاہور (ص ۹)

۵) ایضاً' ص ۱۲

۶) *An Introduction to the History of Science by George Sarton. Carnegie Institute of Washington, 1950. Vol. 1, p. 543.*

۷) *The Making of Humanity by Robert Briffault London, 1919, P. 201*

۸) اسلام اور سائنس از ڈاکٹر محمد رفیع الدین' اقبال اکادمی پاکستان' کراچی۔ ص ۸' ۹

۹) *The Reconstruction of Religious Thought in Islam, by Dr. Muhammad Iqbal, Hafeez Press Lahore, 1977 .P. 129.*

امام اِسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام اِسحاق بن راہویہ بلند پایہ علمائے اسلام میں سے تھے۔ معاصرین علمائے کرام اور ارباب سیر و تذکرہ نگاروں نے ان کے علم و فضل، علمی تبحر و عظمت اور بلند پائیگی کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں : "خراسان و عراق میں ان جیسا جلیل القدر اور کوئی نہیں"۔ امام ابنِ خزیمہؒ فرماتے ہیں : "اگر اِسحاق بن راہویہ تابعین کے زمانے میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہوتے"۔ حافظ ابنِ عبدالبر قرطبی فرماتے ہیں کہ : "اِسحاق بن راہویہ جلیل القدر علمائے اسلام اور نامور محدثین و حفّاظِ عالم میں سے تھے۔"

امام اِسحاق بن راہویہ کا شمار ان ائمہ علام میں ہوتا ہے جو صاحبِ مذہب فقیہہ اور مجتہد تھے، مگر اب ان کا فقہی اور اجتہادی مذہب دنیا سے ناپید ہو چکا ہے۔ اور ایک زمانہ میں ان کا مسلک مسلمانوں کا معمول بہ رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی فرماتے ہیں : "اِسحاق بن راھویہ امام من ائمة المُسلمین" (امام اِسحاق بن راہویہ مسلمانوں کے امام تھے۔) علامہ ابنِ سبکی کہتے ہیں : "احد ائمة الدین و اعلام المُسلمین و هداة المؤمنین"۔ حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں : "احد الاعلام و علماء الاسلام" مؤرخ ابنِ خلکان فرماتے ہیں : "احد ائمة الاسلام و احد ائمة المُسلمین و علماء من اعلام الدین"۔

علمِ حدیث سے ان کو خاص شغف تھا، اور ان کا شمار اکابر محدّثین میں ہوتا ہے۔ علمِ حدیث کی نشر و اشاعت، درس و تدریس، مذاکرہ، حفظ و ضبط اور حزم و احتیاط میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کا حافظہ بھی غیر معمولی تھا۔ ان کے حافظہ میں جامعیت کا اعتراف خطیب بغدادی اور حافظ ابنِ عساکر نے کیا ہے۔ امام قتیبہ بن سعید کا بیان ہے کہ

" خراسان کے نامور محدّثینِ کرام میں تین محدّث ایسے گزرے ہیں جو غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے اور ان کا شمار نامور حُفّاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ اور وہ امام اِسحاق بن راہویہ' امام بخاری اور امام دارمی تھے"۔

ولادت

امام اِسحاق کے والد کا نام ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم تھا۔ ۱۶۱ھ میں ان کے والد نے مکّہ معظمہ کا سفر کیا۔ اسی سفر میں راستہ میں امام اِسحاق کی ولادت ہوئی۔ اسی لئے " راہویہ " کے لقب سے معروف ہوئے۔ ان کا وطن مرو تھا' لیکن مرو سے ہجرت کر کے نیشاپور میں سکونت اختیار کرلی۔ اس لئے نیشاپوری کہلاتے تھے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام اِسحاق بن راہویہ کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست حافظ ابنِ عساکر' خطیب بغدادی' علامہ ابنِ سبکی اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ ان کے مشہور اساتذہ میں امام اسمٰعیل بن علیہ' سفیان بن عیینہ' عبدالرحمٰن بن مہدی' عبدالرزاق بن ہمام' عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع بن جراح شامل ہیں' جبکہ امام احمد بن حنبل اور مؤلفینِ صحاحِ ستّہ ماسوائے امام ابنِ ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔

طلب حدیث کے لئے سفر

امام اِسحاق بن راہویہ نے طلبِ حدیث کے لئے کئی اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ حافظ ابنِ عساکر اور حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے : "طاف البلاد بجمع الحدیث"۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام اِسحاق بن راہویہ نے حجاز' عراق' یمن اور شام وغیرہ مراکزِ حدیث کا سفر کیا اور بغداد کا سفر کئی بار کیا۔

حفاظت و اشاعتِ حدیث

امام اِسحاق بن راہویہ کی ذات سے حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اشاعت اور سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احیاء ہوا۔ حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ : "امام اِسحاق بن راہویہ نے سُنّتوں کا دفاع اور مخالفینِ حدیث کا قلع قمع کیا"۔

فقہ و اجتہاد

امام اِسحاق بن راہویہ کا جس طرح حدیث میں بلند مرتبہ تھا اسی طرح فقہ و اجتہاد میں بھی ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ خطیب بغدادی نے ان کو فقہ و اجتہاد میں جامع اور اکابر فقہاء میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابنِ کثیر نے ان کو "احد المجتہدین من الانام" کے لقب سے یاد کیا ہے۔ فقہی حیثیت سے ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ایک زمانہ تک ان کا مذہب مسلمانوں میں رائج رہا۔ ابنِ رشد نے اپنی کتاب بدایہ المجتہد میں اکثر امام احمد بن حنبل کے ساتھ امام اِسحاق بن راہویہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔

امام اِسحاق بن راہویہ کے فقہی اصول

فقہ و حدیث میں امام احمد بن حنبل اور امام اِسحاق بن راہویہ کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ دونوں ائمہ کرام کے فقہ و اجتہاد کا دارومدار حدیث پر ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب "الانصاف" میں لکھا ہے کہ : "امام احمد بن حنبل اور امام اِسحاق بن راہویہ کے مسائل کی بنیاد احادیث اور اقوالِ صحابہؓ پر زیادہ ہے"۔

حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں : "امام اِسحاق بن راہویہ کی فقہی تصریحات کا دارومدار سنن و احادیثِ نبویؐ پر ہے، لیکن امام احمد کے برخلاف ان کا میلان امام مالک کی طرف زیادہ ہے، جن کا اصل ماخذ اہل مدینہ کے اقوال ہوتے ہیں۔ اور امام احمد زیادہ تر آثار و روایات پر اعتماد کرتے ہیں۔"

فقہ و اجتہاد پر ان کے کمال کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی جیسے عظیم المرتبت امام و مجتہد سے دو مرتبہ مناظرہ کیا۔

عقیدہ و کلام

امام اِسحاق بن راہویہ اتّباعِ سنّت اور طریقہ سلف کی پیروی میں سخت متشدد تھے۔ اس لئے کلام و عقائد کے غیر ضروری مسائل میں بحث و تدقیق ناپسند کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں خلق قرآن کا فتنہ برپا ہوا۔ گو انہوں نے اس میں امام احمد بن حنبلؒ جیسی اولوالعزمی اور ثابت قدمی نہیں دکھائی، لیکن وہ قرآن کو اللہ کا کلام اور غیر مخلوق تسلیم

کرتے تھے۔

مذہب و مسلک

امام اِسحاق بن راہویہ خود صاحبِ مذہب و مجتہد تھے۔ اس لئے چاروں مشہور اجتہادی مذاہب میں سے وہ کسی مذہب سے وابستہ نہ تھے۔ اور امام احمد بن حنبل کی طرح ان کا رجحان حدیثِ نبوی ﷺ واتّباعِ سلف کی طرف زیادہ تھا۔

وفات

امام اِسحاق بن راہویہ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۵ شعبان ۲۳۸ھ کو وفات پائی۔

تصانیف

امام اِسحاق بن راہویہ کی تین کتابوں کے نام ملتے ہیں :

① کتاب السنن فی الفقہ

② کتاب التفسیر

③ مُسند : یہ کتاب ۶ جلدوں میں ہے اور امام صاحب کی مشہور کتاب ہے۔ حافظ سیوطی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : "ابو زُرعہ رازی کا بیان ہے کہ اِسحاق ان ہی روایتوں کی تخریج کرتے تھے جو اس صحابی کی سب سے بہتر اور اچھی روایت ہوتی تھی"۔

اس مسند کا ایک نسخہ حافظ سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مراجع و مصادر

۱) خطیب بغدادی 'تاریخ بغداد
۲) ابن سبکی 'طبقات الشافعیہ
۳) ابنِ عساکر 'تاریخ ابنِ عساکر
۴) ابن حجر عسقلانی 'تہذیب التہذیب
۵) ابنِ کثیر 'البدایہ والنہایہ
۶) ابن خلکان 'تاریخ ابنِ خلکان
۷) امام سیوطی 'الاتقان
۸) امام سیوطی 'تدریب الراوی
۹) عبدالرحمٰن مبارک پوری 'مقدمہ تحفۃ الاحوذی

پیش رفت

قرآن کی تعلیمات اور انقلابی پیغام کو عام کرنے کی خاطر
انجمن خدام القرآن سرحد کی سرگرمیاں

((کُنْ فِی الدُّنْیَا عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا اَوْ سَامِعًا اَوْ خَادِمًا ' فَلَا تَکُنْ خَامِسًا فَتُھْلَک))

"دنیا میں عالم بن کر رہو' یا طالب علم' یا سامع بنو' یا خادم (ان چار کے علاوہ) پانچویں مت بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔

علم انسانی شخصیت کا ایک اہم رخ ہے۔ علم انسان کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ ابنِ خلدون کا قول ہے کہ العلم علمان' علم الابدان و علم الادیان' یعنی علم کی دو قسمیں ہیں' ایک کو علم الابدان کہتے ہیں' یہ Physical Bodies یا Physical Objects کا علم یا مادی علم ہے' جس کو ہم دُنیوی علم کہتے ہیں' اور دوسرا علم الادیان یعنی دین کا علم یا ہدایت آسمانی کا علم ہے۔

ہمارے مذہبی حلقہ میں علم کا اطلاق صرف علم شریعت یا آسمانی ہدایت کے علم پر ہوتا ہے' بقیہ علم کو سیکولر (لادینی علم) قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف دُنیوی علوم کے حاملین' جنہیں عصری علوم یا ماڈرن علوم والے بھی کہتے ہیں' وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے علم کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ مسلمان کے لئے ان دونوں علوم کو یکجا کر کے ان سے استفادہ کرنا ضروری ہے تاکہ دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کی جاسکے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف اوقات میں مختلف کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں مولانا عبید اللہ سندھی نے دہلی میں ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس ادارے کا نام "ادارہ نظارۃ المعارف" تھا جو خاص طور پر گریجویٹ طلبہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے سے فارغ التحصیل طلبہ اور نوجوانوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کی تحریک جہاد (ریشمی رومال تحریک) میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔

بیسویں صدی کے چوتھے عشرے (۱۹۳۴ء) میں مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال نے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن پڑھانے کے لئے کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے جامعہ الازہر (مصر) کو لکھا تھا کہ ان کو ایسے اساتذہ مہیا کئے جائیں جو کہ گریجویٹس کو قرآن اور قرآنی علوم

انگریزی میں پڑھا سکیں۔ لیکن افسوس کہ علامہ کو اس مقصد کے حصول میں کامیابی نہیں ہوئی اور اس کے چند سال بعد یعنی ۱۹۳۸ء میں علامہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

۱۹۷۲ء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن کا طالب علم بنانے کی کوششیں شروع کیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم کر دی، جس کے تحت قرآن اکیڈمی، قرآن کالج اور قرآن آڈیٹوریم کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس قسم کے ادارے کراچی، ملتان اور فیصل آباد میں بھی قائم ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی انجمن خدام قرآن سرحد کا قیام ہے جو کہ صوبہ سرحد میں چند مخیر حضرات کی کوششوں اور تعاون سے ۱۹۹۲ء میں قائم ہوئی۔

اس کی ابتداء ایک لائبریری سے کی گئی جو A / 18 ناصر مینشن، شعبہ بازار، ریلوے روڈ نمبر ۲ پشاور میں قائم ہے۔ اس میں قرآن حکیم کے ترجمے اور تشریح کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں / موضوعات پر کیسٹس اور کتب دستیاب ہیں۔ عربی سیکھنے کے لئے کتابیں اور ویڈیو کیسٹس موجود ہیں جس سے عربی زبان سیکھنے اور قرآن فہمی کے سلسلے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ ان سہولتوں سے ہر کوئی بلا معاوضہ استفادہ کر سکتا ہے۔ ان کتب و کیسٹس کے موضوعات کی فہرست انجمن کے دفتر اور لائبریری سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسلامیات میں پوسٹ گریجویشن کرنے والے اور مقابلے کے امتحانات (CSS,PCS) میں شریک ہونے والے بعض حضرات اس لائبریری سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز کا انتظام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تعاون سے کیا جاتا ہے۔

① قرآن حکیم کی فکری اور عملی رہنمائی کورس
② عربی گرامر کورس
③ ترجمہ قرآن کریم کا خط و کتابت کورس

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ لیکن آج کل جب ہم اپنے اطراف میں نظر دوڑاتے ہیں اور سوچتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہم نے قرآن اور اس کی تعلیمات کو بھلا دیا ہے، جس کی وجہ سے ہم مختلف اقسام کے ذہنی انتشار اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم جس دین کے پیروکار ہیں اس پر اگر خلوص اور صدقِ دل سے عمل پیرا ہو جائیں تو ہمیں دین اور دنیا کی خوشحالی اور ذہنی سکون میسر آ جائے گا۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو اور خصوصاً تعلیم یافتہ افراد کو قرآن کا طالب علم بنا کر اطمینان اور ذہنی سکون مہیا کیا جائے۔

دُنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا حصول ہر مسلمان پر، خواہ مرد ہو یا عورت، فرض ہے۔ اس کی اہمیت خواتین کے لئے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ عورت کی گمراہی پوری نسل کی گمراہی کا سبب بنتی ہے اور

ایک عورت کی سیرت و کردار کی اصلاح پوری نسل کے لئے خیر و برکت کا باعث بنتی ہے۔ آج کل کی بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فحاشی کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ امر ناگزیر ہے کہ عورت کو اس کے اصل مقام کی طرف لایا جائے' اور ہمارے معاشرے میں وہ مائیں موجود ہوں جن کے قدموں کے نیچے جنت ہو۔

قدرے لمبی تمہید کے بعد انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر انتظام قرآن اکیڈمی کے قیام کے لئے اہداف' اس سلسلے میں پیش رفت اور تعمیر کا مختصراً ذکر کر کے اپنی معروضات ختم کو رہا ہوں۔

ہدف

قرآن اکیڈمی کا قیام جہاں تعلیم یافتہ افراد کو قرآن کا طالب علم بنایا جائے۔

پیش رفت

سرحد انجمن کے دو ممبروں نے میاندم (سوات) میں ایک مکان قرآن اکیڈمی کے لئے وقف کیا ہے' جس کو فروخت کر کے پشاور میں کسی موزوں مقام پر قرآن اکیڈمی کی تعمیر کی جائے گی۔ اس مکان کی فروخت سے تقریباً ۱۸ تا ۲۰ لاکھ روپے ملنے کی امید ہے۔

قرآن اکیڈمی کا تعمیری پلان

مناسب وسائل میسر آنے پر قرآن اکیڈمی کی بنیاد رکھی جائے گی' جس میں مختلف دورانئے (ایک ماہ' تین ماہ' نو ماہ) کے کورسز منعقد کئے جائیں گے۔ ان کورسز سے جدید تعلیم یافتہ حضرات اپنی سہولت اور فارغ اوقات کی مناسبت سے فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ اس میں مندرجہ ذیل سیکشن ہوں گے۔

① اکیڈمک ونگ (کلاس روم' لائبریری' آڈیو ویژول سیکشن)
② ایڈمنسٹریشن ونگ
③ رہائشی حصہ' ہاسٹل وغیرہ
④ مسجد

ان شاء اللہ خواتین کے لئے بھی باپردہ اور مناسب بندوبست کیا جائے گا۔ اگر تعداد زیادہ ہوئی تو خواتین اساتذہ اُن کو پڑھائیں گی' تاکہ خواتین بھی اس کار خیر سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال صافی
صدر انجمن خدام القرآن سرحد
فیکس و فون نمبر : 214495
ای میل :
aks@pes.comsats.net.pk

تعارفِ کتب

نام کتاب : برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی مطبوعات
مصنف : محمد نذیر رانجھا
مقامِ اشاعت : میاں اخلاق احمد اکیڈمی۔ ۳۳۳ شادباغ' لاہور
تبصرہ نگار : پروفیسر نثار احمد ملک' سہگل آباد' چکوال

زیر تبصرہ کتاب "برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی مطبوعات" کے مرتب و مؤلف جناب مولانا محمد نذیر رانجھا صاحب ہیں۔ آپ ایک خاموش عالم دین ہیں جو سالہا سال سے انتہائی خاموش اور بے نفسی کے ساتھ پرورشِ لوح و قلم کا فریضہ بڑی خوبصورتی اور جانفشانی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ مولانا نذیر رانجھا صاحب آج کل اسلام آباد میں اسلامی نظریاتی کونسل کی لائبریری میں بطورِ لائبریرین کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کمال آباد' ڈھوک سیداں راولپنڈی میں جامع مسجد اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ میں امامت و خطابت کی ذمہ داریاں بھی نباہ رہے ہیں' جہاں ہر روز نماز عشاء کے بعد وہ انتہائی عام فہم انداز میں درسِ قرآن بھی دیتے ہیں' جس سے علاقے کے لوگ بھرپور مستفید ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے وہ ہجرہ کونسل میں بطورِ ریسرچ سنکالر کام کرتے رہے ہیں۔ جناب رانجھا عربی' فارسی اور اُردو کے جید عالم و محقق ہیں اور اب تک ان کی چھبیس کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم و تحقیق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع کا اظہار اپنے نام سے ہی کر رہی ہے۔ مولانا نے اس میں تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی عربی و فارسی کتب اور عربی و فارسی کتب کے اُردو تراجم کا مفصل اشاریہ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول ـــــ عربی مطبوعات
حصہ دوم ـــــ عربی سے اردو تراجم
حصہ سوم ـــــ فارسی مطبوعات
حصہ چہارم ـــــ فارسی سے اردو تراجم

زیر تبصرہ کتاب کی ترتیب و تدوین اور تحقیق و تجسس میں مولانا نذیر رانجھا صاحب نے اپنی

زندگی کے دس سال لگائے ہیں' تب جا کر تصوف کے موضوع پر ۲۴۶۹ عظیم کتب کا مفصل اشاریہ مرتب ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب تصوف کے موضوع پر تحقیق کرنے والے اہل علم کے لئے "کلید" کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس کے ذریعے وہ بڑی آسانی کے ساتھ اپنی مطلوبہ کتاب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس اشاریۂ کتب تصوف کی ترتیب و تدوین کے لئے مولانا کو متعدد لائبریریوں کی خاک چھاننا پڑی اور بہت سے اہل علم کے ذاتی کتب خانوں تک رسائی حاصل کرنا پڑی' تب جا کر علم و حکمت کے یہ گہر گراں مایہ ہمارے ہاتھ لگے ہیں۔

مولانا نے زیر تبصرہ کتاب میں شامل کتب کے تعارف میں تمام ضروری معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے' مثلاً کتاب کا نام' مصنف کا نام' سن ولادت و وفات' سن اشاعت' مقام اشاعت' مترجم کا نام اور تعارف وغیرہ۔ اس مفصل تعارف نے کتاب کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ مولانا نے کتب کا تعارف کراتے ہوئے یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ اگر کسی کتاب کے دس ترجمے ہوئے ہیں تو انہوں نے دس ترجموں کا مکمل تعارف کرایا ہے۔

مولانا کی اس علمی کاوش کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے تصوف پر تمام عربی و فارسی کتب اور اردو تراجم کا احاطہ کر لیا ہے' تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی بہت بڑی تعداد کا احاطہ ضرور کیا ہے۔

تصوف مولانا محمد نذیر رانجھا صاحب کا پسندیدہ موضوع ہے اور اس کا تذکرہ انہوں نے زیر تبصرہ کتاب کے مقدمے میں کیا بھی ہے' لہٰذا ہم بجا طور پر ان سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ تصوف پر مزید علمی و تحقیقی بلکہ تنقیدی و اصلاحی کام کریں' خصوصاً مروجہ تصوف کا ناقدانہ جائزہ لے کر اس کے راستے سے عوام الناس میں پائی جانے والی گمراہیوں پر ضرور قلم اٹھائیں۔ یہ کام اس لئے ضروری ہے کہ دین کے تمام شعبوں کی تجدید و اصلاح کا کام جاری رہنا چاہئے' جبکہ تصوف جس کے لئے قرآن کی اصطلاحات "احسان" اور "تزکیہ نفس" ہیں' اس کی اصلاح دین کے دوسرے شعبوں سے کہیں بڑھ کر ضروری ہے' اس لئے کہ اس شعبہ سے عوام الناس کا براہ راست واسطہ ہے اور تصوف کے مختلف سلاسل سے عوام الناس کسی نہ کسی درجے میں وابستہ ہیں' لہٰذا تصوف کے نام پر جو دین فروشی اور دکانداری برصغیر پاک و ہند میں جاری ہے اس کے خلاف آواز حق بلند کرنا بھی جناب رانجھا صاحب جیسے جدید تحقیق کار کا فرض بنتا ہے۔ یہ کام ہر دور کے علماء حق متصوفین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے خلاف کرتے رہے ہیں اور انہوں نے ان گمراہیوں کا

علمی خاتمہ کر کے سُنّت و بدعت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔ علماءِ حق میں سے جن لوگوں نے تصوف کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے ان میں امام ابنِ تیمیہ' حافظ ابنِ قیم' محدث ابنِ جوزی' مجدد الف ثانی' امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی' مولانا شاہ اسمٰعیل شہید' سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی (رحمہم اللہ) اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسے مشہور سکالر شامل ہیں۔

مولانا کی زیرِ تبصرہ کتاب بہت سی معنوی خوبیوں کے باوجود اس شایانِ شان طریقے سے شائع نہیں کی گئی جس کی یہ مستحق تھی' کمپیوٹر کمپوزنگ میں عربی رسم الخط اختیار کیا گیا ہے' جبکہ اردو کے لئے اردو رسم الخط اور عربی کے لئے عربی رسم الخط استعمال کیا جاتا تو زیادہ خوبصورتی پیدا ہوتی۔ اس کے علاوہ پروف ریڈنگ بھی احتیاط سے نہیں کی گئی' جس کی وجہ سے بہت سی اغلاط رہ گئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ طبع ثانی میں ان ظاہری خامیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور علم دوست حلقوں کو اس کتاب کی پذیرائی کی توفیق بخشے۔ آمین!

☆☆☆

نام کتاب : بچوں اور نوجوانوں کے لئے آسان ترجمہ اور تفسیر

مؤلف : شکیل زاہد

صفحات : ۳۵۷ ' قیمت : ۱۵۵ روپے

ناشر : ادارۂ قرآن حکیم' پی او بکس ۵۰۰' لاہور

تبصرہ نگار : فرقان دانش خان

"بچوں اور نوجوانوں کے لئے آسان ترجمہ اور تفسیر" (جلد اوّل۔ سورۂ فاتحہ تا سورۂ آل عمران) کے نام سے یہ کتاب شکیل زاہد کی طرف سے ایک نئی کوشش ہے' کیونکہ اس سے پہلے مارکیٹ میں بچوں کے لئے کوئی تفسیر موجود نہیں۔ یہ تفسیر بارہ سال سے بیس سال تک کے بچوں کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ زبان نہایت سلیس اور آسان فہم ہے۔ کتاب کا انداز اگرچہ عالمانہ ہے' اور مصنف کا اس میدان سے تعلق نہ ہونے کے باوجود ان کی یہ کوشش انتہائی عمدہ ہے جو اس عمر کے نوجوانوں کو قرآن سمجھنے میں بڑی مدد و معاون ثابت ہوگی۔ ہر صفحے پر ایک یا دو آیات لے کر ان کا بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر ان کے نیچے آیات اور ان آیات میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی مناسب تشریح کی گئی ہے۔ بقول مؤلف اس کتاب کی تصنیف

کی وجہ یہ بنی کہ جو بچے قرآن حکیم حفظ کرتے ہیں وہ قرآن کے مطالب سے واقف نہیں ہوتے' چنانچہ یہ کتاب ایسے بچوں کے ساتھ ساتھ اردو پڑھنے والے تمام بچوں کے لئے ایک گرانقدر تحفہ ہے' جس کے باعث وہ اپنی اس عمر میں جبکہ انسان کے نظریات اپنی آخری شکل لے رہے ہوتے ہیں' بڑے بڑے علوم سیکھے بغیر اللہ کی آخری کتاب کو سمجھ سکتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے کم یا زیادہ عمر کے افراد کے لئے اس میں رہنمائی موجود نہیں' بلکہ بڑے مرد و خواتین بھی اسے اپنے لئے مفید پائیں گے۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے مباحث میں اختلافی فقہی مسائل سے گریز کیا ہے اور صرف قرآن کی خالص ہدایت کا پہلو ہی نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اس سورہ کا تفصیلی تعارف بھی درج کیا گیا ہے' جس سے سورہ کی وجہِ تسمیہ' زمانۂ نزول اور موضوع کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ پوری کتاب کا عربی اور اردو متن خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ سے مزین ہے۔ دلکش و مضبوط جلد اور عمدہ سفید کاغذ اس کتاب کے ظاہری حسن کو دوچند کرتے ہیں۔ تفسیر کی جلد دوم (سورۃ النساء تا سورۃ الانعام) تکمیل کے مراحل میں ہے اور جلد ہی بازار میں دستیاب ہو گی۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ سمع و بصر کی ایک اور پیشکش

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک فکر انگیز خطاب

پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر

اب ویڈیو سی ڈی پر (VCD) دستیاب ہے

قیمت فی سیٹ —— 100 روپے

ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 03-5869501

"عالمی سیاست اور علامہ اقبال کی پیشین گوئیاں"

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی
مدیر مسئول، حکمت قرآن، لاہور

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے بخیریت ہوں گے۔ میں آپ کا انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے حکمت قرآن میں میرا مضمون "عالمی سیاست اور علامہ اقبال کی پیشین گوئیاں" شائع کیا۔ میرے لئے باعث اعزاز و افتخار ہے کہ یہ مضمون آپ کے مؤقر جریدہ میں شائع ہوا۔ جناب مدیر صاحب نے نہایت باریک بینی اور عرق ریزی سے ایڈیٹنگ کی ہے اور میری کئی اغلاط کو درست کیا ہے۔ راقم ان کا بہت مشکور ہے۔ تاہم ص ۵۰ پر عمل ایتلاف کی انگریزی (Fussion Reaction) ہے اور Thermo Dynamics کی درست اردو "حرحرکیات" ہے۔ مزید یہ کہ حضرت علامہ اقبالؒ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف نہیں لکھا گیا۔

حضرت علامہؒ نے جس اطلاعی معاشرہ کی نشان دہی کی تھی آج ہم اس میں سانس لے رہے ہیں اور وہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے جس سے انہوں نے پیشگی آگاہ کر دیا تھا۔ پاکستان سمیت پوری دنیا کو فحاشی و عریانی کے سیلاب نے سخت آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ اسی اطلاعی انقلاب کا شاخسانہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کو فحاشی و عریانی سے پاک کرنے اور نوجوانوں کی صلاحیتوں کو درست سمت میں موڑنے کے لئے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر تحریکی انداز میں کام کیا جائے۔ اُمید ہے آپ اس ضمن میں اپنی کوششوں کو مزید آگے بڑھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سے وہ کام لے لے جس سے وہ راضی ہو جائے!

احقر

محمد ندیم صدیقی (ایم اے۔ اکنامکس)
انچارج اسلامک انسٹی ٹیوٹ آف میڈیا ریسرچ
ملیر، کراچی

"کردوں کا مسئلہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا سیاسی مسئلہ ہے"

محترم حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

حکمت قرآن ستمبر ۲۰۰۰ء میں شائع شدہ مضمون "عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیمات نبویؐ" میں صفحہ ۴۴ پر مصنف نے عالمِ اسلام کے سب سے بڑے سیاسی مسئلے یعنی کردوں کا مختصر ذکر کرتے ہوئے ان کی آبادی نو لاکھ لکھی ہے۔ میرے علم کے مطابق ترکی، عراق، ایران اور شام میں ۲۵ ملین (اڑھائی کروڑ) کرد آباد ہیں۔ اس مسئلہ کی موجودگی مسلمانوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ ایک واحد علاقے میں آباد لوگوں کو ایک نسل، زبان اور مذہب ہونے کے باوجود اکٹھا نہ ہونے دینا اور ان کو نسلاً تعصب کا نشانہ بنانا اور ان کو اپنی ثقافت اور اپنی الگ زبان کے لحاظ سے انفرادیت کا حق نہ دینا کتنا بڑا ظلم ہے، جبکہ اس مسئلہ میں کوئی غیر مسلم ملک ملوث نہیں۔

براہ کرم اپنے آئندہ شمارہ میں آبادی کے متعلق یہ غلطی درست فرمائیں۔

خادم

محمد سلیمان تنولی

سٹیلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی